THE ALFAZL
QADIAN

اخبار
الفضل
قادیان

جماعت احمدیہ کا مسلم آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۱ | مورخہ یکم جولائی سنہ ۱۹۲۷ء | یوم جمعہ | مطابق یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۴۶ھ | جلد ۱۵

حضرت امام جماعت احمدیہ (ایدہ اللہ) کی مسلمانوں کو موجودہ مشکلات میں رہنمائی

مقدمہ اخبار "مسلم آؤٹ لک" کی مکمل بحث

جو

کسی روزانہ انگریزی یا اردو اخبار میں نہیں شائع ہوئی

حضرت مسیح کی بشارت سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ کی آمد کے متعلق

راجپوتوں کے ایک مشہور گاؤں سے اشدھی کا کوچ

علاقہ ارتداد میں احمدی مبلغین کی تازہ کامیابی
سانڈھن علاقہ آگرہ اشدھی سے پاک ہو گیا

سانڈھن آگرہ کے علاقہ میں ملکانہ راجپوتوں کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ جہاں کے لوگوں کو آریوں نے شدھی میں مبتلا کرنے کیلئے نہ صرف روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ بلکہ مقدمات وغیرہ میں مبتلا لوگوں کو ہر قسم کی امداد دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور اس طرح چند لوگوں کو اشدھ کر لیا۔ اور اس پر بڑی مسرت اور خوشی کا اعلان کرتے ہوئے لکھا کہ سانڈھن کا اسلامی قلعہ بہت جلدی بالکل مسمار ہو جائیگا۔ اور احمدی مبلغوں کو جو شروع سے وہاں کام کر رہے ہیں وہاں ٹھہرنے کے لئے بھی جگہ نہ میسر آئے گی۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے آریوں کو باوجود ہر قسم کی لالچ اور ترغیب کے سامان رکھنے کے سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ ارتداد کے گڑھے میں گرنے والوں میں سے بہت سے پہلے احمدی مبلغین کے ذریعہ تائب ہو چکے ہیں۔ اور تازہ خبر ڈاکٹر جمعدار فضل کریم صاحب سب اسسٹنٹ سرجن اپنے حال کے خط میں یہ دیتے ہیں۔ آج سانڈھن کے متعلق آریوں کی امید حسرت سے بدل گئی اور ان کی ساری چالیں ناکام ہو گئیں۔ حتیٰ کہ ان کی آخری امید ٹھاکر چھدا صاحب بھی جو اپنی قوم کے معزز رکن ہیں۔ اور جن کی امید اپنے اخباروں میں بہت کچھ تعریف کر چکے ہیں۔ بطیب خاطر ارتداد سے تائب ہو گئے ہیں۔ الحمد للہ۔

دیسے ایسے مشکل مقامات پر خدا تعالیٰ بے سروسامان احمدی مبلغوں کو آریوں کے مقابلہ میں کامیابی عطا کر کے بتا رہا ہے۔ کہ اسلام کی فتح یقینی ہے کاش سب مسلمان اسلام کی کامیابی کے حصول میں گو اگر وہ ذاتی طور پر حصہ نہیں لے سکتے۔ وہ مبلغین اسلام کی مالی اور اخلاقی امداد کرنا اپنا فرض سمجھیں ؀

مسلم آؤٹ لک فنڈ کے متعلق ضروری اعلان

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ نے مسلم آؤٹ لک کے لئے ۱۰۰۰ روپیہ کی اپیل چندہ شائع فرمائی ہے۔ اس رقم میں سے مبلغ تین صد روپیہ تو سید دلاور شاہ صاحب کے اہل و عیال کو پیش کیا جائے گا۔ اور باقی مبلغ ۷۰۰ سو روپیہ مسلم آؤٹ لک کے عام فنڈ میں داخل کیا جائیگا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کا منشاء ہے کہ یہ رقم صرف احمدی مستورات کے چندہ سے پوری کی جاوے۔

چنانچہ قادیان میں معقول رقم احمدی خواتین کی طرف سے جمع کی جا چکی ہے۔ بیرونی جماعتیں بھی بہت جلد اپنے اپنے حلقہ میں یہ چندہ کی تحریک شروع کر دیں۔ اور جس قدر رقم جمع ہو۔ وہ قادیان میں بھجوائی جائے۔ تا کہ یہاں سے یکجائی طور پر جماعت کی طرف سے بھجوائی جا سکے۔

[illegible] ناظر بیت المال

ماہ اپریل گذشتہ کے مختلف اجلاسوں میں فرمائی تھیں۔ ان کا خلاصہ جماعت احمدیہ کی آگاہی کیلئے نظارت بیت المال کی طرف سے مجلس مشاورت میں بیت المال کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے عنوان کے ساتھ طبع کرا کر جماعت ہائے احمدیہ کو بھیجا گیا تھا۔ چونکہ جلدی میں یہ خلاصہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کے ملاحظہ عالی میں پیش ہونے سے پہلے بھجوا دیا گیا۔ اس لئے اس میں بعض غلطیاں واقع ہو گئیں۔ لہٰذا تمام ان احباب سے جن کو بھیجا۔ درخواست ہے۔ کہ وہ خلاصہ اس اعلان کے پہنچتے ہی واپس دفتر بیت المال کو بھیج دیں۔ تا کہ حسب منشاء حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ اصلاح شدہ کاپی ان کو بھیجی جا سکے۔ عبد المغنی ناظر بیت المال۔

تعلیمی وظائف

ہمیشہ سے احباب جماعت میں سے کئی ایک کوئی دوست یا کوئی خاص تعلیمی وظیفہ اپنی طرف سے ہوشیار طلباء کو دیتے آئے ہیں۔ امسال بعض طلباء نے مڈل اور میٹریکولیشن میں بہت عمدہ نمبر حاصل کئے ہیں۔ اسلئے احباب کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ ہمت کر کے ان تعلیمی امداد وظیفہ کی سنت قائم رکھ کر مشکور فرمائیں۔ والسلام۔ زین العابدین ناظر تعلیم و تربیت

جناب حافظ روشن علی صاحب کی علالت

سلسلہ احمدیہ کے [illegible] جناب حافظ روشن علی صاحب جو لاہور میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد سے درس و تدریس کے لئے مقیم ہیں۔ کئی دنوں سے بیمار ہیں۔ ذیابیطس کے علاوہ پاؤں پر ایک کاربنکل پھوڑا ابھی نکلا ہوا ہے۔ بخار اور کمزوری بہت ہے۔ گو اب پہلے کی نسبت افاقہ ہے۔ مگر دعا کی اشد ضرورت ہے۔ احباب درد دل سے ان کی صحت کے لئے دعا کریں۔ ذیل میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کا ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور کو جناب حافظ صاحب کا کس قدر خیال ہے اور کتنی تڑپ کے ساتھ حضور ان کے لئے دعا فرما رہے ہیں۔

"مکرمی حافظ صاحب! السلام علیکم

آپ کی طرف سے خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ میں روزانہ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ بلکہ رات کو لیٹے بھی دیر دیر تک دعا کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کا امیدوار اور اس کے فضل کا سائل ہوں۔ فضل کرنے والا ہے۔ اور ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ جو بیماری وہ بتاتے ہیں۔ اس میں اس آرام کا کیا تعلق ہے۔ مگر ڈاکٹر ڈاکٹر ہی ہے آپ ان کی بات پر حتی الامکان عمل کریں۔ ہاں آرام سے لیٹے یا بیٹھے زبان سے کسی وقت درس بھی دیدیا کریں۔ اگر پھر کچھ دنوں دودھ کی غذا رکھیں۔ تو انشاء اللہ مفید ہو گی۔

خاکسار مرزا محمود احمد۔"

اطلاع

یہ پرچہ ارفی پرچہ کے حساب سے قادیان سے منگوایا جا سکتا ہے۔ اور اپنے شہر کے اخبار فروش یا سکرٹری انجمن احمدیہ سے بھی غالباً آپکو مل سکیگا۔ [illegible] کئے جائیں گے [illegible] کو قلیل تعداد میں [illegible] ناظم طبع و [illegible]

[illegible]ری اعلان

[illegible] ح بنصرہ نے جو تقریر مجلس مشاورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

یوم جمعہ قادیان دارالامان ۔ یکم جولائی ۱۹۲۷ء

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالناصر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا تحفظ اور ہمارا فرض

(حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ امام جماعت احمدیہ کے قلم سے)

ابھی پانچ ہی دن ہوئے کہ سید دلاور شاہ صاحب بخاری اپنے ایک عزیز کے ساتھ اس نوٹس کے متعلق جو ہائی کورٹ کی طرف سے مستقبل ہو جاؤ والے مضمون کے متعلق انہیں ملا تھا ۔ قادیان تشریف لائے ۔ اور مجھ سے دریافت کیا ۔ کہ اس موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے ۔ اور ضمناً ذکر کیا ۔ کہ بعض لوگ مشورہ دیتے ہیں ۔ کہ اظہار افسوس کر دینا چاہیئے ۔ میں نے انہیں کہا ۔ کہ ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ صوبہ کی عدالت کا احترام کریں ۔ مگر جب کہ ایک مضمون آپ نے دیانت داری سے لکھا ہے ۔ اور اس میں صرف ان خیالات کی ترجمانی کی ہے جو اس وقت ہر ایک مسلمان کے دل میں اٹھ رہے ہیں تو اب آپ کا فرض ہو گیا ہے کہ اس سچائی پر مضبوطی سے قائم رہیں اور کیا ہو سکتا ہے جہاں رسول کریم صلعم کی محبت کا سوال ہے ۔ اور ہم اس مقدس وجود کی عزت کے معاملہ میں کسی کے معارض بیان پر بغیر اواز اٹھائے رہ سکتے ہیں قانون تو جانتا نہیں ۔ اس کے متعلق تو آپ قانون دان لوگوں سے مشورہ لیں ۔ مگر میری طرف سے آپ کو یہ مشورہ ہے ۔ کہ آپ اپنے جواب میں یہ لکھوا دیں ۔ کہ اگر ہائی کورٹ کے ججوں کے نزدیک کنور دلیپ سنگھ صاحب کی عزت کی حفاظت کے لئے تو قانون انگریزی میں کوئی دفعہ موجود ہے ۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کے لئے کوئی دفعہ موجود نہیں ۔ تو میں بڑی خوشی سے جیل خانہ جانے کے لئے تیار ہوں جیسا کہ سب احباب کو معلوم ہے ۔ اس مضمون کو نہایت خوبصورت الفاظ میں سید دلاور شاہ صاحب نے اپنے جواب کے آخر میں درج کر دیا اور مومنانہ غیرت کا تقاضا یہی تھا ۔ کہ وہ اپنا حقیقی جواب وہی دیتے ۔ جو انہوں نے اپنے بیان کے آخر میں دیا ۔

قانون کا حیرت انگیز نقص

کل خبر آگئی ہے ۔ کہ اس مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا ہے ۔ اور سید دلاور شاہ صاحب بخاری ایڈیٹر "مسلم آوٹ لک" کو چھ ماہ قید اور ساڑھے سات سو روپیہ جرمانہ ہوا ہے ۔ اور مولوی نور الحق صاحب پروپرائٹر کو تین ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوا ہے ۔ ہمیں قانون کے اس نقص پر تو حیرت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی وروحی کی عزت پر ناپاک حملہ کرنے والوں پر تو مہینوں مقدمہ چلے اور آخر میں برأت ہو ۔ اور ہائی کورٹ کے متعلق ایک ایسی بات لکھنے پر جو صرف تاویلاً اس کی ہتک کہلا سکتی ہے ۔ آٹھ دن کے اندر اندر دو معزز شخص جیل خانہ میں بھیج دیئے

جائیں ۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

قید ہونے والوں کی بہادری

ہمارے بھائی آج جیل خانہ میں ہیں ۔ لیکن اپنے نفس کے لئے نہیں ۔ اپنی عزت کے لئے نہیں ۔ کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں ۔ اس وجہ سے نہیں ۔ کہ وہ حکومت کو کمزور کرنا چاہتے تھے ۔ نہ اس لئے کہ وہ کسی کے حق کو دبانا چاہتے تھے ۔ بلکہ صرف اس لئے کہ انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کیلئے غیرت کا اظہار کیا ۔ ان کی یہ بہادرانہ روش ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگی کہ دونوں نے سارا بوجھ اپنے ہی سر پر اٹھانے کی کوشش کی ہے اور دوسرے کی برأت کی کوشش کی ہے ۔ اس مصیبت کی آگ میں سے یہ ایک ایسی خوشبو اٹھی ہے ۔ کہ باوجود صدمہ زدہ ہونے کے دماغ معطر ہو رہا ہے ۔ گورنمنٹ کے جیل خانے بے وفاؤں اور غداروں کے لئے تیار کئے گئے تھے لیکن آج انہیں دو وفادار شخص جنہوں نے دو جہاں کے سردار سے بھی وفاداری کی اور گورنمنٹ کی بھی وفاداری کی زینت دے رہے ہیں

کیا مسلم آوٹ لک نے عدالت کی توہین کی

محترم ججان نے یہ فیصلہ کیا ہے ۔ کہ ان دونوں صاحبان نے یہ کہکر کہ یہ فیصلہ غیر معمولی ہے اور غیر معمولی حالات میں ہوا ہے اور اس کی تحقیق ہونی چاہیئے عدالت عالیہ کی ہتک کی ہے ۔ مگر میرے نزدیک عدالت عالیہ کی یہ رائے درست نہیں ۔ یہ کہنا کہ جن حالات میں یہ فیصلہ ہوا ہے ۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو رہے ہیں ۔ اس لئے اس کی تحقیق کرنی چاہیئے ۔ اور یہ کہنا کہ جج نے کوئی بددیانتی کی ہے ۔ اس میں بہت بڑا فرق ہے ۔ اور میں خیال کرتا ہوں ۔ کہ عدالت عالیہ پنجاب بیسیوں مقدمات میں اس فرق کو تسلیم کر چکی ہو گی ۔ کیا اس میں کوئی شک ہے ۔ کہ ملک معظم کی وفادار رعایا کے کروڑوں افراد اس فیصلہ پر جس کا حوالہ مسلم آوٹ لک نے دیا تھا حیران و انگشت بدندان ہیں ۔ اور کیا عدالت عالیہ کا یہ فرض نہیں ۔ کہ جب ملک کی ایک بڑی تعداد ایک فیصلہ پر حیران ہو اور خود گورنمنٹ بھی جو اس قانون کی وضع کرنے والی ہے ۔ اس کے عجیب اور خلاف امید ہونے کا اظہار کرے ۔ تو اس کے متعلق ایسے حالات بہم پہنچائے کہ جس سے پبلک کی تسلی ہو ۔ اور اس کی گھبراہٹ دور ہو سکے اس میں کیا شک ہے ۔ کہ ملک کا امن عدالت عالیہ پر اعتبار سے قائم رہ سکتا ہے ۔ پس اس وجہ سے عدالت عالیہ کو معمولی شکوک کا بھی خیال رکھنا چاہیئے ۔ اور انسانی فطرت کی کمزوریوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے ۔

سزا نادرست ہے

عدالت عالیہ کو خواہ کسی فیصلہ کی صحت پر کس قدر ہی یقین ہو اور وہ ایک جج کی دیانت پر خواہ کس قدر ہی اعتماد رکھتی ہو ۔ اس سے پبلک کی تسلی تو نہیں ہو جاتی ۔ اور اس سے پبلک میں عدالت عالیہ

کا [illegible] ہم نہیں ہو جاتا۔ پس عدالت عالیہ کو ایسے مواقع پر دینی پبلک کے احساسات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور اس خیال سے تسلی نہیں پا لینی چاہیئے۔ کہ لوگوں کے خیالات غلط ہیں۔ خیالات خواہ کس قدر ہی غلط ہوں۔ مگر جب وہ پیدا ہو جائیں تو ان کی پرواہ کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور عدالت کا فرض ہے۔ کہ نہ صرف لوگوں کے خیالات کی درستی کی غرض سے بلکہ خود اپنی عزت کو صدمہ سے بچانے کے لئے وہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے۔ جس سے لوگوں کے شبہات کے دور ہونے کا موقع نکل آئے۔ مسلم آؤٹ لک نے صرف اس قسم کی تدبیر اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا۔ پس فاضل ججان کا اس کے ایڈیٹر اور مالک کو سزا دینا اور اس قدر سخت سزا دینا میری رائے میں درست نہ تھا۔

آؤٹ لک کا مطالبہ ہائی کورٹ کی خدمت تھی

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اس مقدمہ کے متعلق غیر معمولی واقعات موجود تھے۔ دفعہ ۱۵۳ الف ہر صوبہ کی گورنمنٹ کے نزدیک ایک خاص مفہوم رکھتا تھا۔ اور پبلک اس مفہوم سے متفق تھی۔ غالباً مختلف صوبوں میں مختلف گورنمنٹیں اس دفعہ کے ماتحت اگر مقدمات چلا نہ چکی تھیں۔ تو لوگوں کو اس امر کی دھمکی ضرور دے چکی تھیں۔ اور لوگ بھی اس کا یہی مفہوم سمجھ کر معافیاں مانگ مانگ کر اپنی جان بچا رہے تھے۔ اگر ایک ہی وقت میں قانون کا یہ مفہوم [illegible] اور جن کے لئے وہ قانون بنا تھا سب کے سب اس قانون کے ایک معنوں پر متفق تھے۔ بلکہ جیسا کہ ایک بعد کے فیصلہ سے معلوم ہوا ہے ایک ہمسایہ صوبہ کی عدالت عالیہ بھی اس قانون کا یہی مفہوم لیتی تھی۔ تو کیا اس صورت میں پبلک میں ہیجان پیدا ہونا ایک لازمی امر نہ تھا۔ کیا پبلک اس موقعہ پر یہ نتیجہ نہیں نکالے گی کہ غیر معمولی حالات میں ایک غیر معمولی فیصلہ ہوا ہے۔ اور کیا خود ہائی کورٹ کی عزت کے قیام کے لئے اس امر پر روشنی ڈالنا ہائی کورٹ کے لئے ضروری نہ تھا۔ اگر بغیر اس کے کہ کنور صاحب پر بددیانتی کا الزام لگایا جائے پبلک کے لئے یہ فیصلہ استعجاب و حیرت کا موجب تھا۔ تو پھر مسلم آؤٹ لک کا مطالبہ عدالت عالیہ کی ایک بہت بڑی خدمت تھی نہ کہ جرم۔ جس کی پاداش میں اسے سزا دی جائے۔

معاملہ کی حقیقی حیثیت

اگر معاملہ کسی معمولی قانون کی تشریح کا ہوتا تو اور بات تھی۔ مگر یہاں تو معاملہ یہ تھا۔ کہ ایک قانون کے ایک معنے سالہا سال سے ثابت شدہ سمجھے گئے تھے۔ گورنمنٹ کی نظر میں بھی اور پبلک کی نگاہ میں بھی اور کنور صاحب نے ان مسلمہ معنوں کو غلط قرار دیا تھا۔ پس ایسے وقت میں اگر مسلم آؤٹ لک نے اپنی آواز اٹھائی خصوصاً اس حال میں کہ اس فیصلہ سے مسلمانوں کے دل مجروح ہو رہے تھے۔ تو اگر فاضل ججان کے نزدیک وہ آواز بے موقع بھی تھی۔ تو زیادہ سے زیادہ اسے نامناسب قرار دینا چاہیئے تھا۔ نہ یہ کہ وہ اس قدر سخت سزا دیتے۔ پھر ہائی کورٹ کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ کیا اس سزا سے ہائی کورٹ کی وہ عزت قائم ہو گئی جسے وہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس سزا کے بعد تو مسلمانوں کے دل اور بھی غم و غصہ سے بھر گئے ہیں۔ اور وہ پہلے تو صرف ایک جج کے فیصلہ کی نوعیت پر معترض تھے۔ اب عدالت عالیہ کے بہت سے ججوں کے متفقہ فیصلہ کو وہ اپنے مفاد اور منشائے قانون کے سخت خلاف سمجھ رہے ہیں۔ پس بجائے فائدہ کے اس فیصلہ سے نقصان پہنچا ہے۔ اور خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

کنور صاحب کا فیصلہ اور مسلمانوں کا جوش

میں کنور صاحب کے فیصلہ کے متعلق صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک فاضل ججوں نے اس امر کو نہیں سمجھا۔ کہ کنور صاحب کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں جوش کیوں ہے۔ اگر وہ ایک مسلمان کی حیثیت میں اپنے آپ کو فرض کرتے جس طرح کہ مسٹر جسٹس دلال نے اپنے آپ کو فرض کیا تھا۔ تو یقیناً وہ صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتے۔ گو اس وقت تک مسلمان اس کو واضح الفاظ میں بیان نہ کر سکے ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس فیصلہ میں ہر ایک مسلمان اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں خیال کرتا۔ کہ اس فیصلہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی گئی ہے۔ کیونکہ کنور صاحب نے صاف لکھا ہے۔ کہ آپ کی نسبت ہتک آمیز الفاظ لکھنے والے کو سزا ملنی چاہیئے (گو وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ اس فیصلہ سے آپ کی ہتک کا دروازہ کھل گیا ہے) مگر وہ یہ ضرور خیال کرتا ہے۔ کہ اس فیصلہ کا یہ مطلب ہے۔ کہ ایک مسلمان کو یہ تو حق ہے۔ کہ اگر اسے کوئی شخص گالی دے۔ تو اس پر وہ ناراض ہو۔ لیکن اسے اس شخص سے نفرت کرنے کا حق نہیں ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔ اگر اس موقعہ پر منافرت پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ اس کی اشتعال انگیز طبیعت کا نتیجہ ہے۔ اس کے فطرتی تقاضوں کا نتیجہ نہیں ہے۔

مسلمان اور حب رسول

اب ایک مسلمان کے نزدیک یہ خیال کہ اس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اگر خود اسے گالی دی جائے تو اسے غصہ آ جانا چاہیئے۔ لیکن اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی جائے تو اس کے دل میں جائز طور پر منافرت کے جذبات نہیں پیدا ہونے چاہئیں۔ انتہا کی سب سے بڑی ہتک ہے۔ وہ اسے بے غیرتی کا اور سب سے بڑی بے غیرتی کا الزام سمجھتا ہے۔ اور ایک منٹ کے لئے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ حق یہ ہے۔ کہ ہر سچا مسلمان اپنی ذات کے متعلق سخت کلامی کو اگر روا [illegible] معافی کے قابل سمجھتا ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و روحی کے متعلق ایک ادنیٰ کلمہ گستاخی کا سن کر بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اگر اسے یہ معلوم ہو۔ کہ ایسے [illegible] استعمال کرنے والا اپنی قوم کی تائید اپنے ساتھ شامل رکھتا ہے۔ تو وہ اس قوم کو بھی نہایت ہی حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ پس جب ایک مسلمان یہ سنتا ہے۔ کہ ایک فاضل جج قانون منافرت بین الاقوام کے معنے صرف یہ لیتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے خلاف بہ حیثیت قوم کچھ نہ کہا جائے اور یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کہنا [illegible] نہیں کہلا سکتا۔ تو وہ اس میں اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ اور اپنے [illegible] پر حملہ خیال کرتا ہے۔ اور جج کی نیت کے اچھے ہونے یا بُرے ہونے کا اس میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر فاضل ججان ہائی کورٹ مسلمانوں کے اس احساس کو مد نظر رکھتے۔ تو انہیں مسلم آؤٹ لک کے مضمون کی حقیقت کو سمجھنا آسان ہو جاتا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ انہوں نے مضمون کے مختلف پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔ اور یہی سمجھ لیا۔ کہ اس میں ایک جج پر بدنیتی کا الزام لگایا گیا ہے۔ اور ایک ایسا فیصلہ کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کے دل اور بھی مجروح ہو گئے۔ اور ان کی طبائع میں اور بھی جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کریں۔ جو ان کے نزدیک صرف اسلام کی عزت کی حفاظت کے لئے جیل خانہ گئے ہیں۔ اور ہر سچا مسلمان اس وقت تک صبر نہیں کرے گا۔ جب تک کہ وہ اس بارہ میں اپنے فرض کو ادا نہ کرے۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے

فیصلہ کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر کرنے کے بعد میں اس سوال کو لیتا ہوں۔ کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اور پیشتر اس کے کہ میں اپنے خیالات کو بیان کروں میں ان تین امور پر [illegible] اس وقت تک بطور علاج کے بیان کئے گئے بحث کرنی چاہتا ہوں۔

عدالتوں سے مقاطعہ

ایک علاج بعض لوگوں نے یہ تجویز کیا ہے۔ کہ ہم عدالت عالیہ سے مقاطعہ کریں۔ میرے نزدیک علاج وہ ہوتا ہے۔ جس [illegible] فائدہ پہنچے۔ لیکن اگر اس علاج پر غور کیا جائے۔ تو [illegible] فائدہ کے ہمیں اس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ ہم [illegible] چاہیئے۔ کہ ہم اس امر کے متعلق تو خود فیصلہ کرنے کا [illegible] رکھتے ہیں۔ جو ہماری ذات سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن جو امر دوسروں کی ذات سے تعلق رکھتا ہو۔ اس پر ہماری نیتوں کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو تین قسم کے مقدمات پیش آ سکتے ہیں [illegible] وہ مقدمات جو باہم مسلمانوں میں ہوں۔ خواہ مالی حقوق کے [illegible] ہوں یا فوجداری ہوں۔ مگر قابل دست اندازی پولیس نہ [illegible] ایسے مقدمات تو قطع نظر اس فیصلہ کے مسلمانوں میں [illegible]

طے ہونے چاہئیں۔ اگر ہم اپنے جھگڑے خود فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ تو ہم درحقیقت اس نظام اسلامی سے بے بہرہ ہیں۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم فرمایا تھا۔ ہماری جماعت بڑی سختی سے اس امر کا لحاظ رکھتی ہے۔ کہ تمام مالی مقدمات اور تمام فوجداری اختلافات جن کو برطانوی عدالت میں لے جانے کے ہم قانوناً پابند نہیں۔ اپنی جماعت کے قاضی ہی طے کریں۔ اس قسم کے ایک واقعہ کے متعلق پچھلے دنوں اخبارات میں ایک مضمون بطور اعتراض شائع ہوا تھا۔ مگر میرے نزدیک یہ امر قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ قومی اتحاد کے لئے ضروری ہے۔ اور قومی دولت اس سے محفوظ رہ جاتی ہے ؛

دوسری قسم کے مقدمات وہ ہو سکتے ہیں۔ جو گو دو مسلمان فریق میں ہوں۔ لیکن قابل دست اندازی پولیس ہوں۔ اور قابل راضی نامہ نہ ہوں۔ اور تیسری قسم کے مقدمات وہ ہیں۔ جو مسلمانوں اور غیر قوموں میں ہوں۔ ان دونوں قسم کے مقدمات میں ہی عدالت کا مقاطعہ مقاطعہ کہلا سکتا ہے۔ لیکن کیا ایسا مقاطعہ ہم سے ممکن ہے؟ ایک وقت میں ایسے سینکڑوں کیس عدالت میں داخل ہوتے ہیں۔ جن کا ہزاروں مسلمانوں پر اثر پڑتا ہے۔ پس کیا یہ بات اسلام کے فائدہ کی ہوگی۔ کہ ہزاروں غریب مسلمان اس مقاطعہ کی وجہ سے جیل خانہ میں جائیں۔ اور ہزاروں مسکینوں، غریبوں، بیواؤں، یتیموں کے حقوق عدم پیروی کی وجہ سے تلف ہو کر غیر قوموں کو مل جائیں۔ اس طریق کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ مسلمان جو آگے ہی اقتصادی طور پر تباہ ہو رہے ہیں۔ بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ پس ہمیں اس تدبیر کو ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے رسول کریم صلعم کی عزت کی حفاظت کی صورت پیدا نہیں ہوتی ؛

تکرار فعل

دوسرا طریق یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ مسلمان اس فعل کو متواتر کریں۔ جو مسلم آؤٹ لک والوں نے کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ طریق بھی علاوہ قانون شکنی کے (پہلے یہ فعل قانون شکنی نہ تھا۔ لیکن اب ہائی کورٹ کے فیصلہ کے بعد یہ فعل قانون شکنی ہو گیا ہے۔) اپنی ذات میں بے فائدہ ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہائی کورٹ اس امر کا پابند نہیں۔ کہ ہر اس شخص پہ مقدمہ چلائے۔ جو اس کی نظر میں عدالت کی ہتک کرنیوالا ہے۔ [illegible] اس کا پابند ہوتا تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ لاکھوں مسلمان مسلم آؤٹ لک کی نقل کریں۔ ہائی کورٹ کہاں تک لوگوں کو جیلخانہ [illegible] ڈالے گا۔ آخر تنگ آجائیگا۔ لیکن جب کہ وہ ہر ایک پر مقدمہ چلانے کا پابند نہیں۔ تو وہ صرف یہ طریق اختیار کرے گا۔ کہ بڑے بڑے لوگوں کو پکڑے گا۔ دوسروں کے فعل کو نظر انداز کر دے گا۔ اس سے صرف مسلمان کمزور ہو جائیں گے۔ اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ مثلاً مسلمانوں کے لاہور میں چار روزانہ اخبارات ہیں۔ اگر روزانہ ان میں مسلم آؤٹ لک کے نوٹ کے ہم معنی نوٹ شائع ہوں۔ تو ہر روز چار آدمیوں پر ہائی کورٹ مقدمہ چلائے گا۔ ان چار آدمیوں کو یا آٹھ آدمیوں کو روزانہ گرفتار کر کے بھی ہائی کورٹ کو کیا نقصان پہنچے گا۔ اور پھر اس طریق سے اسلام کو کیا فائدہ ہوگا۔ اگر چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو اس امر کے لئے آگے بھیجا گیا۔ تو یہ قابل شرم ہوگا۔ اور انتہائی درجہ کی قومی غداری ہوگی۔ اور اگر بڑے بڑے سب لوگ اس طرح جیل خانوں میں چلے گئے۔ تو اسلام کو نقصان پہنچانے والے اور بھی خوش ہونگے۔ انہیں ہندوستان میں اسلام کو نقصان پہنچانے اور اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کا اور بھی موقعہ مل جائے گا۔ پس یہ تدبیر بھی قابل عمل نہیں ہے سکھوں کی کوششوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہاں عملی جدوجہد تھی۔ وہ ایک گوردوارہ میں زبردستی گھس جاتے تھے۔ اگر سرکار سب کو نہ پکڑتی۔ تو گوردوارہ ہاتھ سے جاتا تھا۔ اگر پکڑتی تو جیل خانے کفایت نہ کرتے تھے۔ لیکن یہاں تو صرف بعض الفاظ کے دہرانے کا سوال ہے۔ بغیر کسی قسم کے نقصان کے خطرہ کے ہائی کورٹ ہزاروں آدمیوں کے فعل کو نظر انداز کر سکتا ہے ؛

سول نافرمانی

تیسری تدبیر سول نافرمانی بتائی جاتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ میں اس تدبیر کا مذہباً مخالف ہوں۔ عقلاً بھی میرے نزدیک اس تدبیر کو اختیار کرنا درست نہیں۔ سول نافرمانی ہائی کورٹ کے خلاف نہ ہوگی۔ بلکہ گورنمنٹ کے خلاف ہوگی۔ اور گورنمنٹ کا اس معاملہ میں کوئی قصور نہیں۔ گورنمنٹ اس وقت اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہے۔ گورنر صوبہ بڑے زوردار الفاظ میں ہائی کورٹ کے فیصلہ پر استعجاب ظاہر کر چکے ہیں۔ اور اس کو منسوخ کرانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ بے شک بوجہ غیر مذہب کے پیرو ہونے کے اور قانون کی الجھنوں کے اس طرح جلدی سے عمل نہیں کر سکتے۔ جس طرح کہ ہمارے دل چاہتے ہیں۔ لیکن وہ ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ ان کا مقصد اور ہمارا مقصد اس قانون کے بارہ میں ایک ہی ہے۔ پس سول نافرمانی کرنے کے یہ معنے ہونگے۔ کہ ہم گورنمنٹ کو جو اس معاملہ میں ہم سے اتفاق رکھتی ہے۔ اپنا مخالف بنا لیں۔ کیونکہ سول نافرمانی چونکہ گورنمنٹ کے خلاف ہوگی۔ وہ اس چیلنج کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ اور اس طرح ہم اپنے ہاتھوں سے ہندوؤں کے تیار کردہ گڑھے میں گر جائیں گے۔ جس میں ہمیں گرانا ان کی عین خواہش ہے ؛

ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ ہمارا جھگڑا اس وقت ہندوؤں سے ہے۔ اور ان میں سے بھی درحقیقت آریہ سماجیوں سے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان میں کامل آزادی نہیں حاصل کر سکتے۔ جب تک کہ مسلمان اس ملک میں باقی ہیں۔ وہ ہندوستان میں برہمنک قانون کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔ جو برطانوی اور اسلامی قانون آزادی کے بالکل برخلاف ہے۔ اور وہ جانتے ہیں۔ کہ اس اختلاف کی وجہ سے جب بھی ہندو اپنے مقصد کو پورا کرنا چاہیں گے۔ انگریز اور مسلمان مل کر ان کے راستہ میں روک بنیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ ان دو طاقتوں کے مقابلہ میں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ پس وہ پہلے مسلمانوں کو کمزور کر کے نکما کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ انگریزوں سے نپٹیں گے۔ مگر اس تحریک کے بانی ہوشیار بھی بہت ہیں۔ وہ مسلمانوں اور انگریزوں کو لڑانا چاہتے ہیں۔ اور بسا اوقات انگریز ان کے فریب میں آکر مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات مسلمان کسی بات پر مشتعل ہو کر انگریزوں کو اپنا مخالف خیال کرنے لگتے ہیں۔ مگر ہمیں اس دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔ میرے نزدیک انگریزوں اور مسلمانوں کے اکثر اختلافات کا اب فیصلہ ہو چکا ہے۔ آئندہ تمدنی جنگ میں یہ دونوں مل کر اپنے اپنے حقوق کی حفاظت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ انگلستان کی نجات مسلمانوں سے صلح رکھنے میں ہے۔ اور مسلمانوں کا فائدہ انگریزوں سے تعاون کرنے میں۔ ہم سب دنیا سے نہیں لڑ سکتے۔ رسول کریم صلعم نے بھی مشرکوں کے مقابلہ میں اہل کتاب سے معاہدہ کیا تھا۔ پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم تدابیر اختیار نہ کریں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ باوجود بیسیوں قسم کے عیوب کے انگریزی قوم تمام موجودہ غیر اسلامی اقوام سے ہمارے زیادہ قریب ہے۔ اور درحقیقت دوسری قوم صرف روسیوں کی ہے۔ جو اسلام کو سخت ... ہے۔ جیسا کہ احمدی مبلغوں اور دوسرے بہت سے ... مسلمانوں کی عینی شہادت سے ثابت ہے۔ جو پہلے برطانوی حکومت کے سخت دشمن تھے۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ جو لوگ سیاسی طور پر میرے اس خیال سے متفق نہ ہوں۔ ان کو بھی یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس موجودہ مسئلہ میں ہمیں برطانیہ کے قائم مقاموں سے کوئی جنگ نہیں ہے۔

میری سکیم

جس قدر پیش کردہ تجاویز ہیں۔ ان کے نقائص بیان کرنے کے بعد میں اپنی تجاویز کو پیش کرتا ہوں۔ میرے نزدیک ہمیں قدم اٹھانے سے پہلے یہ غور کر لینا چاہیئے۔ کہ ہمارا مقصد اس وقت کیا ہے۔ میرے نزدیک ہمارا مقصد رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی حفاظت ہے۔ مسلم آؤٹ لک کا معاملہ اس مقصد کے حصول کی جدوجہد کا ایک ظہور ہے۔ بس ہمیں بجائے اس پر اپنا زیادہ وقت خرچ کرنے کے اس سے جس قدر ممکن ہو۔ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ مسلم آؤٹ لک کے فیصلہ نے مسلمانوں کی آنکھیں ان کی بے بسی کے متعلق کھول دی ہیں۔ لوہا گرم ہے۔ اس کو اس طرح کوٹنا ہمارا کام ہے۔ کہ اس سے اسلام کے لئے کارآمد اشیاء تیار ہو سکیں۔ ہمارا یہ بھی فرض ہے۔ کہ اس کام کو جاری ہی نہ رکھیں۔ بلکہ ترقی دیں۔ جو مسلم آؤٹ لک کرتا تھا۔ اور اس کے لئے میں اپنی جماعت کی طرف سے آٹھ سو روپیہ کی امداد کا اعلان کرتا ہوں۔ میرے نزدیک کم سے کم پانچ ہزار روپیہ ہمیں اس کام کے لئے جمع کر دینا چاہیئے۔ اور یہ روپیہ مسلم آؤٹ لک کی ترقی پر خرچ ہونا چاہیئے۔ اور مسلم آؤٹ لک کے خریداروں کے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ہندوؤں کو یہ جرأت کیوں ہوئی

اس کے بعد اصل معاملہ کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ دوسرے بزرگان اسلام کو عموماً اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصاً گالیاں دینے کی جرأت ہندوؤں کو صرف ان کے اقتصادی اور تمدنی غلبہ کی وجہ سے ہے۔ وہ اس غلبہ کے بعد ہماری غیرت کو مٹا کر ہمیں شودر بنانا چاہتے ہیں۔ میں ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ ہر اک قوم کا حق ہے۔ کہ اپنے مفاد کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرے۔ لیکن ساتھ ہی ہر اس قوم کا بھی جس کے مفاد کے خلاف اس کے کاموں کا اثر پڑتا ہو حق ہے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کرے۔ اگر ہندوؤں کا حق ہے۔ کہ وہ اپنی دولت کو بڑھانے کے لئے مسلمانوں سے چھوت چھات کریں۔ اور اپنی قوم کی ہر ممکن ذریعہ سے پرورش کریں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہ ہو۔ مجھے تعجب آتا ہے۔ کہ ہندو خود چھوت چھات کرتے ہیں۔ اور سنگھٹن کی تائید میں لیکچر دیتے پھرتے ہیں۔ لیکن جس وقت مسلمان یہی کام کرتے ہیں۔ تو شور مچا دیتے ہیں۔ کہ دیکھو یہ ملک کے امن کو بگاڑتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ہر کوشش جو مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے کی جائے۔ وہ ملک کے امن کے خلاف ہے۔ مگر ہم نے اس امن کو کیا کرنا ہے۔ جس سے ہماری ہستی ہی مٹ جائے۔ اور پھر اس فساد کے ذمہ وار ہندو لوگ ہونگے۔ جو مسلمانوں کی بیداری کی وجہ سے پیدا ہو۔ کیا مسلمان وہ شخص جو اپنے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ کس طرح مفسد کہلا سکتا ہے۔ مفسد وہ ہوگا۔ جو اسے جائز حق کے لینے سے روکتا ہے۔ اصل میں یہ شور ہی بتاتا ہے۔ کہ ہندو قوم اس تدبیر سے سب سے زیادہ گھبراتی ہے۔ پس اس تدبیر پر ہمیں سب سے زیادہ زور دینا چاہیئے۔ اور اس زمانہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے سب سے پہلی جدوجہد ہماری یہی ہونی چاہیئے کہ ہم ہندوؤں سے چھوت چھات کریں۔

مسلمانوں کا روپیہ آنحضرت صلعم کے خلاف خرچ کیا جا رہا ہے

میں تمام ان مسلمانوں سے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں رکھتے ہیں۔ یہ پوچھتا ہوں۔ کہ کبھی انہوں نے یہ بھی خیال کیا ہے۔ کہ رنگیلا رسول وچتر جیون اور ورتمان وغیرہ قسم کی کتب اور رسالے انہی کے روپیہ سے چھاپے جاتے ہیں۔ اور انہی کے روپیہ سے ان کتب کے لکھنے والوں کی مدافعت کی جاتی ہے۔ اگر ان میں واقع میں رسول کریم صلعم کے لئے غیرت ہے۔ تو وہ کیوں وہ ہتھیار ہندوؤں کو مہیا کر کے دیتے ہیں۔ جن سے وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی تمدنی بربادی ہی ان سب خرابیوں کی ذمہ وار ہے۔ اور اس کا دور کرنا ان کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اپنے روپیہ کو محفوظ کر کے وہ دیکھیں تو سہی کہ کس طرح مخالفین اسلام کی طاقت آپ ہی آپ ٹوٹ جاتی ہے۔ اور خود ان میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ جو لوگ آج مسلم آؤٹ لک کے بہادر ایڈیٹر اور جری مالک کے پیچھے جیل خانہ جانے کے لئے تیار ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں۔ آپ کا کام جیل خانہ کے باہر ہے۔ ان چیزوں میں ہندوؤں سے چھوت چھات کرو۔ جن میں ہندو چھوت کرتے ہیں۔ اور دوسری چیزوں میں مسلمانوں کی مدد کرو۔ تو یہ بہترین تدبیر ہوگی۔ جس سے آپ ان جیل میں جانے والوں کی مدد کر سکیں گے۔ اور ان کے کام کو کامیاب بنا سکیں گے۔ چاہیئے۔ کہ اس وقت سب جگہ کے مسلمان اس امر پر اتفاق کر لیں۔ کہ جلد سے جلد ہر قسم کی دوکانیں مسلمانوں کی نکل آئیں۔ اور جہاں تک ہو سکے مسلمان انہی سے سودے خریدیں۔ بائیکاٹ کے طور پر نہیں۔ بلکہ صرف ہندوؤں کی تدابیر کے جواب کے طور پر اپنی قوم کو ابھارنے کے لئے۔

اے بھائیو یاد رکھو۔ کہ صرف جلسوں میں ریزولیوشن پاس کرنے سے کچھ نہ بنے گا۔ کیونکہ ان کا کوئی مادی اثر نہیں۔ جیل خانوں میں جانے سے کچھ نہیں بنے گا۔ کیونکہ اس میں خود ہمارا اپنا نقصان ہے۔ عقلمند وہ کام کرتا ہے۔ جس سے اس کا فائدہ ہو۔ اور اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ اس میں ہے۔ کہ مسلمانوں کی تمدنی حالت کو درست کیا جاوے۔ ان کی اپنی دوکانیں کھولی جائیں۔ آڑھت بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

مسلمانوں کی آڑھت

ہمیں مسلمانوں کی آڑھت کی دوکانیں کھلوانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ جب تک آڑھت کی دوکانیں نہیں کھلیں گی۔ کبھی مسلمان زمیندار اور دوکاندار نہیں پنپ سکتے۔ اندھیر ہے کہ جو روپیہ اس وقت ہندو تبلیغ پر خرچ ہو رہا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ مسلمانوں کے گھروں سے خاص اس غرض سے جاتا ہے۔ عام طور پر ہندو آڑھتی ہر مسلمان زمیندار سے ہر سودے کے وقت ایک مقررہ رقم لیتا ہے۔ کہ اتنی گئوشالہ کے لئے ہے۔ اس قدر دھرم ارتھ کے لئے۔ اتنی یتیموں کے لئے۔ اور اس سے مراد مسلمان یتیم خانے اور مسلمانوں کے کام نہیں ہوتے۔ بلکہ خالص ہندوؤں کے کام ہوتے ہیں۔ اب غور کرو۔ کہ پنجاب میں کس قدر رقم اس طرح مسلمان خالص ہندو کاموں کے لئے دیتے ہیں۔ پس جب تک مسلمان ان رقوم کو بند نہ کرینگے۔ اور اپنی رقوم کو اسلام کی ترقی کے لئے خرچ نہیں کرینگے۔ وہ پروپیگنڈا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے خلاف ہو رہا ہے۔ کبھی بند نہ ہوگا۔ لوگ کہتے ہیں۔ مٹھائیاں و برف وغیرہ کہاں سے لیں۔ میں کہتا ہوں۔ اے بھائیو تمہارے بھائی اسلام کی عزت کے لئے برفوں سے نہیں۔ اپنے بیوی بچوں کی صحبتوں سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ کیا تم برف اور مٹھائی ترک نہیں کر سکتے۔ اور کیا مسلمان کا دماغ اور سب کام کر سکتا ہے۔ مگر یہ کام نہیں کر سکتا۔

تبلیغ اسلام

دوسرا کام جو حقیقی کام ہے۔ لیکن ابتداءً اس کا اثر ہندوؤں پر ایسا نہ ہوگا۔ جیسا کہ پہلے کام کا وہ تبلیغ اسلام ہے۔ ہندوؤں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے خلاف حملہ کرنے کی جرأت صرف اس خیال سے ہے۔ کہ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان میں خالص ہندو مذہب قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ہم تبلیغ کے کام کو خاص زور سے اختیار کریں۔ تو اسلام میں ایسی طاقت ہے۔ کہ کوئی مذہب اس کے مقابلہ میں ٹھیر ہی نہیں سکتا۔ پس یقیناً اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ بہت جلد بہت سی ہندو اقوام جو یہ ہمیشہ اصول مذاہب سے تنگ آ چکی ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے لگیں گی۔ اور ہندوؤں کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ مسلمانوں کو ہندو بنا لینے کا خیال ...

دہم ہے۔ اور خود بخود ان کا جوش ٹھنڈا ہو جائیگا

سیاسی حقوق کا فیصلہ

تیسری تدبیر یہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے سیاسی حقوق کا استقلال سے مطالبہ کریں۔ میں حیران ہوں۔ کہ مسلمان کس طرح اس امر پر راضی ہو گئے۔ کہ پچپن فی صدی آبادی کے باوجود چالیس فی صدی حقوق انہوں نے طلب کئے لیکن ملے اب تک وہ بھی نہیں۔ مسلمانوں کی یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ کہ وہ ملازمتوں کو حقیر چیز خیال کرتے تھے۔ ملازمت اگر ایسی ہی حقیر ہوتی۔ تو ہندو جو ایک بیدار قوم ہے۔ کیوں اس طرح اس کی خاطر اپنی تمام تر طاقت خرچ کر دیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ملازمت اپنی ذات میں بڑی شے نہیں۔ لیکن اس کا واسطہ تمدنی ترقی سے اس قدر ہے۔ کہ اس میں کمی یا زیادتی قوم کو تباہ کر سکتی یا بنا سکتی ہے۔ ملازمت کے سوا قومی گزارہ کا ذریعہ یا زراعت ہے یا ٹھیکہ داری یا تجارت یا صنعت و حرفت۔ مگر کیا زراعت کی کامیابی نہروں اور تحصیل کے عملہ۔ اور جوڈیشری پر موقوف نہیں۔ ٹھیکہ داری پبلک ورکس ریلوے اور نہروں سے تعلق نہیں۔ اور تجارت اور صنعت و حرفت گورنمنٹ سپلائی کے ساتھ وابستہ نہیں۔ جن لوگوں کے پاس ملازمتیں ہونگی۔ وہی ان کاموں میں ترقی کریں گے۔ اور کر رہے ہیں۔ جس قدر بڑے بڑے مالدار ہندو اس وقت ہیں۔ ان میں سے اکثر کو دیکھ لو کہ ان کی ترقی کا پہلا زینہ سرکاری ٹھیکیداری پاؤ گے۔ اور اس کا باعث ہندو افسر ہوگا۔

پس مسلمانوں کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ اپنی تعداد کے مطابق یا کم سے کم پچاس فی صدی تک اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی متواتر کوشش کریں۔ اور اس وقت تک بس نہ کریں۔ جب تک کہ یہ حق ان کو مل نہ جائے۔ میں نے سنا ہے۔ کہ ملازمتیں تو الگ رہیں۔ تعلیم میں بھی مسلمانوں کی ترقی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اور یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ کہ پیشہ سکھانے والے کالجوں میں مسلمان چالیس فی صدی داخل کئے جائیں۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ مسلمان کبھی اپنے حق کو حاصل ہی نہ کر سکیں کیونکہ جو لوگ چالیس فی صدی کالجوں میں داخل کئے جائیں گے۔ وہ پچپن فی صدی یا پچاس فیصدی حق پانے کے قابل کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔ پس چاہیئے۔ کہ مسلمان ایک ایک کر کے ہر اک صیغہ کے متعلق نہ ختم ہونے والی جدوجہد کریں۔ اور اس وقت تک بس نہ کریں۔ جب تک ان کے حقوق انہیں مل نہ جائیں۔ اگر انہیں اپنے اوپر رحم نہیں آتا۔ تو کم سے کم اپنی آئیندہ نسلوں پر رحم کریں۔ اور انہیں دائمی غلامی میں نہ چھوڑیں

اتحاد عمل اور اس کا طریق

یہ تینوں تجویزیں اس وقت مسلمانوں کے آزاد ہونے کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ لیکن ان پر کبھی کامیابی سے عمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ تمام مسلمان کہلانے والے لوگ اکٹھے نہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی ناکامی ان کے تفرقہ کا نتیجہ ہے۔ وہ مخالفین اسلام کے دھوکے میں آکر آپس میں ایک دوسرے کی گردن کاٹتے رہتے ہیں۔ اور دشمن ہنستا ہے۔ کہ میں خود انہی کے ہاتھوں ان کو تباہ کرا دونگا۔ آؤ آج سے فیصلہ کر لو۔ کہ خواہ کس قدر ہی اختلاف مذہبی یا سیاسی ہو۔ غیر قوموں کے مقابلہ میں ہم ایک دوسرے کا ساتھ دینگے۔ ہمارے مذہبی۔ سیاسی۔ تمدنی۔ اقتصادی اختلاف ہمیں آپس میں مل کر کام کرنے سے نہیں روکینگے۔ ہم اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اور محبت سے اس کی تلقین کریں۔ اپنا کوئی اصل نہ ترک کریں۔ نہ کسی سے ترک کرائیں لیکن ہم باوجود ہزاروں اختلافات کے اس امر کو نہ بھولیں کہ ایک نقطہ ہے۔ جس پر ہم سب جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک مقام ہے۔ جہاں آکر ہم سب بسیرا لیتے ہیں۔ وہ نقطہ کلمۂ لا الہ الا اللہ ہے۔ اور وہ مقام آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ مبارک ہے۔ پس مخالفین اسلام کے مقابلہ کے لئے ہم سب کو جمع ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ ہمارا اختلاف ہماری تباہی کا موجب نہ ہو۔ یہ اتحاد ایسا ہو۔ کہ ہم اس میں سے کسی کو باہر نہ رہنے دیں۔ خلافتی یا خوشامدی لیگ کا ماننے والا یا کانگریسی عدم تعاونی یا ملازم سرکار کسی کو بھی ہم اپنے سے دور نہ کریں۔ کیونکہ اس عظیم الشان جدوجہد میں ہمیں ہر ایک میدان کے سپاہی کی ضرورت ہے خلافتی کی بھی ہمیں اسی طرح ضرورت ہے۔ جس طرح خوشامدی کی۔ ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا کام کر سکتا ہے۔ اور چاہیئے۔ کہ جو مفید تجویز کسی کی طرف سے پیش ہو۔ خواہ وہ ہمارا کس قدر ہی دشمن ہو۔ ہم سب مل کر اس کی تائید کریں۔ اور ایک زبان ہو کر سارے ہندوستان میں اس کی دھوم مچا دیں۔ اور جن لوگوں سے ہمیں اختلاف بھی ہو۔ گو ان کے خیالات کی ہم تردید کریں۔ لیکن احترام سے کام لیں۔ اور تذلیل نہ کریں۔ تا کوئی شخص بھی ہمارے ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔

اخبارات کو مضبوط کرنے کی ضرورت

میں نے ان اغراض کو پورا کرنے کے لئے چھ اضلاع میں مبلغ مقرر کئے ہیں۔ اور باقی ضلعوں میں مقامی انجمنوں کے ذریعہ سے کام کروا رہا ہوں۔ ان لوگوں سے علاوہ چھوت چھات کی تحریک کرنے۔ تمدنی آزادی کی ترغیب دینے اور مل کر کام کرنے کی تحریص دلانے کے یہ بھی کام لیا جائیگا۔ کہ تمام مسلم اخبارات کی اشاعت کی تحریک بھی وہ ہر جگہ کریں کیونکہ پریس کی مضبوطی قوم کی آواز کے بلند کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کی ترقی مشکل ہے۔ جب تک کہ مسلمانوں کا پریس نہایت مضبوط نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ تحریک بھی کرائی جائے گی۔ کہ مسلمان زمیندار اور تاجر اپنا کام مسلمان وکلاء کو دیا کریں تاکہ مسلمان وکلاء آزاد ہو کر کام کر سکیں۔ یہ پیشہ آزاد ہے۔ مگر بوجہ کام کی کمی کے مسلمان وکلاء اس طرح کام نہیں کر سکتے جس طرح کہ ہندو وکلاء کر سکتے ہیں۔

عام اعلان کی ضرورت

ان تمام تدابیر پر عمل کرنے کے لئے میرے نزدیک تمام اسلامی سوسائیٹیوں انجمنوں۔ اخباروں رسالہ جات اور جماعتوں کی طرف سے سب سے پہلے یہ اعلان ہو جانا چاہیئے۔ کہ ہم اسلام کے عام فوائد کے معاملہ میں اپنے اختلافات سے قطع نظر کر کے آپس میں مل کر کام کیا کرینگے تاکہ عوام الناس میں بھی ادھر توجہ پیدا ہو جائے۔ اور وہ سمجھ لیں کہ اب کام کرنیکا وقت آگیا ہے۔ اور یکدم سب مقامات پر عملی جدوجہد شروع ہو جائے

ایک اہم جلسہ کی تجویز

اس کا مناسب ذریعہ علاوہ اوپر کے اعلان کے میرے نزدیک میں اپنی طرف سے تو اسی مضمون میں وہ شائع کر دیتا ہوں۔ یہ ہوا ہے کہ مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر اور مالک کے قید ہو چکنے۔ مثلاً پورے ایک ماہ بعد یعنی ۲۲ جولائی کو جمعہ کے دن ہر مقام پر ایک جلسہ کیا جائے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی اور تمدنی آزادی کے متعلق مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے اور ان سے وعدہ لیا جائے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ اسلام کا کام جاری کرینگے۔ اور ہندوؤں سے ان امور میں چھوت چھات کرینگے جن میں ہندو ان سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہ وہ اپنی تمدنی اور اقتصادی زندگی کے لئے پوری سعی کرینگے۔ اپنے قومی حقوق کو قوانین حکومت کے ماتحت حاصل کرنیکی پوری کوشش کرینگے۔ اسلامی فوائد میں سب مل کر کام کرینگے اور اسی دن ہر مقام پر ایک مختصر کمیٹی بنائی جائے جو مختلف فوائد کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اسی طرح اس دن تمام لوگ مل کر گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ ہائی کورٹ کی موجودہ صورت مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ اور ان کو جب تک کہ موجب پچپن فیصدی آبادی والی قوم کے [illegible] اور ان میں سے ایک [illegible] صوبہ سے باہر سے لایا جائے۔ اس میں مسلمان [illegible] محسوس کرتے ہیں یہ سمجھنا کہ ہر تحریک کے لئے مسلمان قابل قاضی مل سکتے ہیں۔ لیکن جج نہیں مل سکتا۔ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ گورنمنٹ نے جو کچھ کیا۔ انصاف ہی سے کیا ہوگا۔ مگر ہمارے نزدیک اس عالم میں مسلمانوں کے

حقوق پر کافی غور نہیں کیا گیا۔ اور اس کا ازالہ جلد سے جلد ضروری ہے۔ اور اس کے لئے ہم باادب یہ درخواست کرتے ہیں کہ کم سے کم ایک مسلمان جج پنجاب کے بیرسٹروں میں سے اور مقرر کیا جائے۔ اور اسے نہ صرف مستقل کیا جائے۔ بلکہ دوسرے ججوں سے اس طرح سینئر کیا جائے۔ کہ سر شادی لال صاحب کے بعد وہی چیف جج ہو۔

ایک محضر کی ضرورت

اسی طرح اس جلسہ میں حاضرین سے دستخط لے کر ایک محضر نامہ تیار کیا جائے۔ کہ ہمارے نزدیک مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر اور مالک نے ہرگز عدالت عالیہ کی ہتک نہیں کی۔ بلکہ جائز نکتہ چینی کی ہے۔ جو موجودہ حالات میں ہمارے نزدیک طبعی تھی۔ اس لئے ان کو آزاد کیا جائے۔ اور جلد سے جلد کنور دلیپ سنگھ صاحب کے فیصلہ کو منسوخ کرا کے مسلمانوں کی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنے بے ادبی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ دلجوئی کی جائے۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ کم سے کم پانچ چھ لاکھ مرد و عورت کے دستخط یا انگوٹھے اس محضر نامہ پر ہوں۔ تاکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اسکے باہر بھی اس کا اثر ہو۔ اور اس کا ایک طبعی اثر مسلمانوں کے دماغوں پر ایسا پڑے۔ کہ دوسرے امور میں جدوجہد بھی ان کے لئے آسان ہو جائے۔ یہ محضر نامہ ابھی سے تیار ہونا شروع ہو جانا چاہیئے۔ اس سے لوگوں کو کام کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ اور لوگوں پر اثر بھی اچھا ہوگا۔

میرے نزدیک ایک ماہ بعد کی تاریخ اس لئے مناسب ہے کہ تا اس عرصہ میں تمام ملک کو اس غرض کیلئے بیدار کیا جاسکے۔ جلسہ جمعہ کی نماز کے بعد آسان ہوگا۔ لیکن جس جگہ قانوناً جلسہ کو روک دیا جائے۔ اس جگہ نماز جمعہ کے خطبہ میں امام ان باتوں کو بیان کر سکتا ہے۔ اس طرح قانون سے مقابلہ کے بغیر کام ہو جائے گا۔

قوم کی قربانی ضروری ہے

میرے نزدیک فی الحال یہی تدابیر مناسب ہیں۔ گو بہت سے لوگ اس وقت بہت جوش رکھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ کامیابی کیلئے ساری قوم کی قربانی ضروری ہوتی ہے۔ صرف چند آدمیوں کی قربانی زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ پس ہمیں سب مسلمانوں کو تیار کرنا چاہیئے۔ اور اس کے لئے بہت بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جب کام شروع کیا جائیگا۔ تب معلوم ہوگا۔ کہ کس قدر مشکلات راستہ میں آئینگی۔ اور وہ جن کو ناجائز فوائد کے حاصل کرنے سے روکا جائیگا۔ کس کس طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرینگے۔

میں آخر میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ وہ تجاویز ہیں جو میرے ذہن میں آئی ہیں۔ باقی مسلمان بھائی خود بھی غور کرلیں۔ اور جو تجاویز بھی مفید ہوں۔ انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس پروگرام کو اختیار کیا جائے۔ تو انشاء اللہ مفید ہوگا۔ اور ایک ایسی رو چل جائیگی۔ کہ جس سے کام لیکر بہت سے مفاسد کی اصلاح ہو سکے گی۔ ورنہ ہم تو اس کی طرف توجہ کر ہی رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ کرینگے۔

بائیس جولائی یا جس تاریخ پر بھی اتفاق ہو۔ اس کے آنے تک ہمیں ہر ممکن ذرائع سے اس تحریک کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ جو غرض اس تحریک سے ہے۔ وہ پوری ہو سکے۔

میں مضمون ختم کرنے سے پہلے پھر تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کیلئے ہماری جماعت ہر جائز اور مطابق اسلام قربانی کرنے کیلئے تیار ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی اور آپ لوگوں کو بھی توفیق عطا فرمائے۔

خاکسار
مرزا محمود احمد۔ امام جماعت احمدیہ
۲۳ جون ۱۹۲۷ء

حضرت یسوع کا مشن

(رقمزدہ ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب مبلغ امریکہ)

ایک دوست کا خط آیا ہے۔ کہ ایک عیسائی صاحب فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ نے اپنے آخری وقت میں اپنے شاگردوں کو فرمایا تھا۔ کہ تم سب قوموں کے پاس جاؤ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان احباب یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ صرف یہودیوں کیلئے تھے۔ اور تمام جہان کیلئے نہ تھے۔ ملاحظہ ہو متی آخری باب آیت ۱۸۔ "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ"۔

اس سوال کے جواب میں اس امر کو واضح کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی تعلیم اور وعظ جو اناجیل مروجہ میں درج ہیں وہ دو حصوں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ ایک پہلا حصہ ہے جس میں مسیح ناصری نے اپنے شاگردوں کو شریعت تورات پر عمل کرنے اور اس سے بڑھ کر اخلاقی حالات میں بہت نرمی اختیار کرنے کی یہ تعلیم دی ہے۔ کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے۔ تو دوسری اس کے آگے رکھ دو۔ اور بدی کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ اس تعلیم کو حضرت مسیح نے اپنے ان شاگردوں کے واسطے محدود کر دیا تھا۔ جو یہودیوں میں سے انکی جماعت میں داخل ہوئے تھے۔ اور اگر غیر قوم کا آدمی ان سے اس معاملہ میں تعلیم لینے آیا۔ تو وہ صاف انکار کر دیتے۔ چنانچہ ایک کنعانی عورت جب یسوع کے پاس آئی۔ تو اسے یسوع نے صاف کہا۔ کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ ملاحظہ ہو متی باب ۱۵۔ آیت ۲۲۔ ۲۴۔ یہ بہت واضح ہے۔ اور یسوع کے اپنے الفاظ ہیں۔ کہ ان کی رسالت صرف یہود کے واسطے تھی۔ ان کے سوائے وہ کسی کو تعلیم نہ دینا چاہتے تھے۔

دوسرا حصہ مسیح ناصری کی تعلیم کا وہ ہے جس میں انہوں نے آنے والی بادشاہت کی خوشخبری دی۔ اور اس کی نشانیاں بتلائی ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اس بادشاہت سے مراد ہے۔ ظہور حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ چونکہ وہ آسمانی بادشاہت جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا میں قائم ہونیوالی تھی۔ وہ سارے جہان کے واسطے تھی۔ اس واسطے ضروری تھا کہ اس کے آنے کی منادی بھی تمام قوموں میں کرائی جاتی۔ پس دراصل یسوع مسیح برائے تعلیم صرف یہودی قوم کیلئے تھے۔ اور انہوں نے کبھی یہودیوں کے سوائے کسی دوسری قوم کی طرف توجہ نہیں کی لیکن جب یہود نے انہیں پکڑ کر صلیب پر لٹکا دیا۔ اور وہ ان کی اصلاح سے ناامید ہو گئے۔ اور یہود نے اپنے آخری نبی کو بزعم خود صلیب پر مار کر خاتمہ کر دیا۔ اور اس طرح ان پر جو لعنت گرنی تھی۔ اس کے سامان پورے ہو گئے۔ تب حضرت عیسیٰ نے اپنے دوسرے پیغام کی طرف توجہ کر کے اپنے شاگردوں کو کہا۔ کہ سب قوموں کے پاس جاؤ۔ کیونکہ اب صرف یہ کام باقی تھا۔ کہ آنیوالے آخری صاحب شریعت نبی سید الانبیاء کے آنے کی خبر دی جائے اس کا نام یسوع نے آسمانی بادشاہت رکھا۔ اور انہوں نے اپنی عمر میں کبھی یہ نہ کہا۔ کہ آسمانی بادشاہت آگئی ہے بلکہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ آسمانی بادشاہت آنیوالی ہے۔ اور چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے جہان کے واسطے تھے۔ اس واسطے اس بشارت کا بھی یہودیوں اور غیر یہودیوں سارے جہاں میں پہنچانا ضروری تھا۔

اِنّی مُھِینٌ مَن اَرَادَ اِھَانَتَکَ کی صداقت

میں نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی اہانت کی۔ تحریر و تقریر میں اس کا مرتکب ہوا۔ اور ہر مرتبہ میری تذلیل و توہین ہوئی۔ اور میں نے دل میں محسوس کیا۔ کہ یہ سب مصیبت مرزا صاحب کی توہین کے بدلے ہے۔ اور میں نے دل میں عہد کر لیا۔ کہ اب ایسا نہ کرونگا۔ دو سال خاموش رہنے کے بعد حال ہی میں اس حرکت کا پھر مرتکب ہوا۔ اور تحریری و تقریری اہانت کی جس پر غیرت خداوندی فوراً جوش میں آئی۔ اور میری توہین و تذلیل کے سامان غیب سے پیدا ہو گئے۔ اور اس ذلت و اہانت کا دور دور شہرہ ہو گیا۔ میری شہرت کو زبردست دھکا لگا۔ اور وقعت کم ہو کر عوام کی نظروں سے گر گیا۔ اور اس طرح حضرت مرزا صاحب کے اس الہام

جو تیری اہانت کریگا میں اسکی اہانت کرونگا

پر مہر صداقت لگ گئی۔ اس لئے میں آج سے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ اور حضرت مرزا صاحب کو اپنے دعاوی میں [illegible] مانتا ہوں۔ میں عنقریب حضرت خلیفۃ المسیح کے [illegible] کر کے سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں مصروف [illegible] نام نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔ بیعت کر کے ظاہر کر دوں گا۔

(راقم ایک مسلمان [illegible])

مسلم آؤٹ لک کے مقدمہ کے متعلق ہائی کورٹ پنجاب میں بحث

ڈیفنس کی طرف سے جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب احمدی بیرسٹر ایٹ لاء کی پرزور تقریر

مقدمہ کی کارروائی کی نہایت مفصل رپورٹ

(الفضل کے خاص نامہ نگار بھائی عبد الرحمن صاحب کے قلم سے)

اخبار مسلم آؤٹ لک کے مشہور مقدمہ میں جو کارروائی عدالت عالیہ لاہور میں ہوئی۔ اس کی رپورٹ متعدد اردو انگریزی روزانہ اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ الفضل کے خاص نامہ نگار بھائی عبد الرحمن صاحب نے جو خود عدالت عالیہ میں موجود تھے۔ جس تفصیل اور عمدگی کے ساتھ مقدمہ کی رپورٹ قلم بند کر کے بھیجی ہے۔ اور جو درج ذیل ہے۔ ایسی کسی اخبار نے بھی شائع نہیں کی۔ ان تفصیلی حالات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب احمدی بیرسٹر ایٹ لاء نے کیسی اعلیٰ قابلیت اور کتنی بڑی خوبی کے ساتھ مقدمہ کو پیش کیا۔ اور کیسی زبردست گفتگو کی۔ جس طرح اس مقدمہ کا فیصلہ اپنی تلخی کے لحاظ سے مسلمانان ہند کے لئے ہمیشہ باعث رنج و الم رہے گا۔ اسی طرح جناب چوہدری صاحب موصوف کا اس مقدمہ میں ایسی جرأت کے ساتھ پیش ہونا اور اس قدر پر زور اور زبردست بحث کرنا بھی یادگار رہے گا۔ ہماری دعا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ جناب چوہدری صاحب کی صحت و عمر میں برکت ڈالے۔ اور ان سے خدمت اسلام کے اور بھی بڑے بڑے کام لے۔

(ایڈیٹر)

ہائی کورٹ کے اختیارات سماعت مقدمہ پر بحث

چوہدری ظفر اللہ خاں: - بیشتر اس کے کہ واقعات مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوں۔ میں ایک تمہیدی عذر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ عذر یہ ہے۔ کہ اس عدالت کو اپنی توہین کے متعلق سرسری کارروائی کر کے سزا دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس مقدمہ سے بیشتر اسی نوع کا مقدمہ بھی ایک ایسا مقدمہ جو اس حد تک موجودہ مقدمہ سے مشابہ تھا۔ کہ اس میں بھی ہتک عدالت کا سوال تھا۔ اس ہائی کورٹ سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ میری مراد سید حبیب ایڈیٹر سیاست کا مقدمہ ہے۔ جس کے فیصلہ کی رپورٹ ۶ لاہور صفحہ ۵۲۸ پر موجود ہے۔ اس فیصلہ میں یہ امر درج ہے۔ کہ عدالت کو ایسے امور میں اختیار سماعت حاصل ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ ملزم نے اختیارات سماعت کا سوال اس مقدمہ میں نہیں اٹھایا۔ عدالت نے خود بخود اس مسئلہ پر غور کیا۔ اور عدالت اس نتیجہ پر پہنچی۔ کہ اسے اختیار سماعت حاصل ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچنے کی تائید میں دو حوالجات اس فیصلہ میں درج کئے گئے ہیں۔ ۱۰ کلکتہ صفحہ ۱۰۹ اور ۲۹ الہ آباد صفحہ ۹۵۔

میں اپنی تقریر کے دوران میں ان حوالجات کو عدالت کے روبرو پیش کروں گا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ کہ ان حوالجات سے یہ نتیجہ لازم نہیں آتا۔ کہ لاہور ہائی کورٹ کو ایسے امور میں سرسری کارروائی کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

پریذیڈنسی ہائی کورٹس کے علاوہ سید حبیب صاحب والا فیصلہ ہی صرف ایک فیصلہ ہے۔ جو میری تلاش پر اس قلیل وقت میں مجھے مل سکا۔ جس میں یہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ عدالت کو ایسے امور میں اختیار سماعت حاصل ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ کہ اس فیصلہ میں عدالت صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچی۔ اور وہ فیصلہ بوجہ تین ججوں کے فیصلہ ہونے کے اس اجلاس پر جو پانچ ججوں پر مشتمل ہے قابل پابندی نہیں۔

مسٹر جسٹس براڈوے: - ۴۸ الہ آباد میں الہ آباد ہائیکورٹ نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ انہیں اختیار سماعت حاصل ہے۔

چوہدری ظفر اللہ خاں: - یہ فیصلہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے ابھی یہ فیصلہ منگوا بھیجا ہے۔ اور اس کے متعلق بھی میں اپنی بحث کے دوران میں اپنے اعتراضات پیش کروں گا۔

مسٹر جسٹس ٹیک چند: - ۴۸ الہ آباد کی بجائے ۹۷ انڈین کیسز میں اس فیصلہ کی زیادہ مفصل رپورٹ درج ہے۔

چوہدری ظفر اللہ خاں: - اس مسئلہ کے متعلق میرے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ توہین عدالت کے متعلق سرسری کارروائی کر کے سزا دینا خالص انگلستان کے کامن لاء کا مسئلہ ہے۔ اور ان عدالتوں کو جنہیں کامن لاء کے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ یہ اختیار نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اپنی توہین کے متعلق سرسری کارروائی کر کے ملزم کو سزا دے سکیں۔

پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کے متعلق یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ انہیں یہ اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ ہائی کورٹ سپریم کورٹوں کی جانشین ہے۔ اور سپریم کورٹوں کو کامن لاء کے اختیارات ان کے چارٹر کے ماتحت حاصل تھے۔ اور وہی اختیارات پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کو بوجہ سپریم کورٹوں جانشین ہونے کے حاصل ہیں۔

یہ امر تو میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ لاہور ہائی کورٹ بھی کورٹ آف ریکارڈ ہے۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ کو کامن لاء کے قطعاً کوئی اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں اس ہائی کورٹ کو یہ اختیار نہیں کہ محض اس وجہ سے کہ وہ کورٹ آف ریکارڈ ہے اپنے متعلق ایسے اختیارات تجویز کرے۔ جو حقیقت میں اسے حاصل نہیں ہیں۔

اب میں پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کے متعلق اپنی پوزیشن کو واضح کرتا ہوں۔ سب سے اول ملاحظہ ہو چارٹر سپریم کورٹ کے ۱۷۷۴ء فقرہ نمبر ۴۔ اس فقرہ میں صاف طور پر درج ہے۔ کہ سپریم کورٹ کے ججوں کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے۔ جو کنگز بنچ کے ججوں کو انگلستان میں حاصل ہیں۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو دفعہ ۹ انڈین ہائی کورٹس ایکٹ ۱۸۶۱ء۔ اس ایکٹ کے رو سے ملکہ وکٹوریہ کو اختیار دیا گیا تھا۔ کہ وہ پریذیڈنسی صدر مقاموں میں ہائی کورٹیں قائم کریں۔ اور ان ہائی کورٹوں کے اختیارات کے حدود قائم کریں۔ اور دفعہ ۹ میں یہ تشریح کی گئی ہے۔ کہ کن عدالتوں کے ججوں کو وہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ جو عدالت ہائے سابق کے ججوں کو حاصل تھے۔ تو یہ امر واضح ہو گیا۔ کہ پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کے ججوں کو وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو سپریم کورٹوں کے ججوں کو تھے۔ اور جیسا میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ سپریم کورٹ کے ججوں کو صریح طور پر کنگز بنچ کے ججوں کے اختیارات دیئے گئے تھے۔ چنانچہ پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کے لیٹرز پیٹنٹ میں بھی ان اختیارات کی تشریح کر دی گئی ہے

اس عدالت کے اختیارات کی تشریح بھی اس کے لیٹرز پیٹنٹ میں کی گئی ہے۔ لیکن لیٹرز پیٹنٹ میں کوئی بھی ایسا فقرہ نہیں ہے۔ جس کے یہ معنے نکالے جا سکیں۔ کہ اس عدالت کو کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔ یا وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کو حاصل ہیں۔

مسٹر جسٹس ٹیک چند: - چھوٹی چھوٹی نو آبادیوں کی ہائی کورٹوں نے ان اختیارات کو استعمال کیا ہے۔ اور پریوی کونسل نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ تو کیا ہمیں وہ بھی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ جو ان چھوٹی سی عدالتوں کو حاصل ہیں؟

چوہدری ظفر اللہ خان: - کسی ملک کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا سوال اس مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا - سوال تو یہ ہے - کہ آیا ان عدالتوں کو جنہوں نے ان اختیارات کو استعمال کیا ہے - کامن لار کے اختیارات حاصل تھے - یا نہیں - اگر انہیں ایسے اختیارات حاصل تھے - تو انہیں اپنی توہین کے متعلق سرسری طور پر سزا دینے کا اختیار بھی حاصل تھا -

مسٹر جسٹس ٹیک چند: - اس امر کا کیا ثبوت ہے - کہ انہیں کامن لار کے اختیارات حاصل تھے؟

چوہدری ظفر اللہ خان: - جب تک ان عدالتوں کے چارٹر آپ کے سامنے نہ ہوں - آپ یہ بھی تو نہیں کہہ سکتے - کہ ان عدالتوں کو کامن لار کے اختیارات حاصل نہیں تھے - اور اگر قیاسات پر بھی اندازہ کرنا ہو - تو قیاس تو یہ ہوگا - کہ ان عدالتوں کو کامن لار کے اختیارات حاصل تھے - آپ نے فرمایا ہے - کہ وہ چھوٹی چھوٹی نو آبادیوں کی عدالتیں ہیں - اور میں یہ کہتا ہوں - کہ یہی خود ایک وجہ ہے - کہ کیوں انہیں کامن لار کے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں - اول تو نو آبادیوں میں لازمی طور پر قانون انگریزی کا غلبہ ہوگا - دوسرے جب تک بذریعہ ایکٹ ہائے و قواعد قانون کی مفصل تشریح نہ ہو جائے - اور ضوابط تیار نہ ہو جائیں - انگریزی حکومت کے ماتحت اور خصوصیت سے نو آبادیوں میں کامن لار ہی رائج ہوگا - اسی ملک میں آپ دیکھ لیں - کہ ابتداء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری تھی - اور سپریم کورٹوں کے اختیارات کا حلقہ ایک ایک ضلع کے برابر بھی نہیں تھا - اس وقت سپریم کورٹوں کو کامن لار کے اختیارات دئے گئے - اس وقت کلکتہ کے سپریم کورٹ کے کل چار جج تھے - اور اس لحاظ سے وہ بالکل چھوٹی سی عدالت تھی - آج آپ کی عدالت کو ایک بہت بڑے صوبہ پر اختیارات حاصل ہیں - اور تیرہ جج اس عدالت میں شامل ہیں - لیکن آپ کو کامن لار کے اختیارات نہیں دئے گئے - اس کی وجہ یہی ہے - کہ ابتداء میں قانون واضح نہ تھا - اور ہر مسئلہ کے متعلق ضروری قانون بنانا مشکل تھا - اس لئے ابتداء میں جو عدالتیں قائم ہوئیں - ان کو کامن لار کے اختیارات دئے گئے - تاکہ جن امور کے متعلق ہندوستان کا اپنا صریح قانون موجود نہ ہو - وہ مطابق انگلستان کے کامن لار کے فیصلہ کئے جائیں - لیکن جوں جوں قانون کی درستی ہوتی گئی - اور ہندوستان کا اپنا قانون مکمل ہوتا گیا - یہ ضرورت کم ہوگئی - اور بعد کی قائم کردہ ہائیکورٹوں کو ایسے اختیارات دینے کی ضرورت نہ رہی -

مسٹر جسٹس براڈوے: - لیکن ہم بھی ملک معظم کی قائم کردہ عدالت ہیں - اور ہمارے اختیارات بھی ملک معظم سے حاصل کئے ہوئے ہیں -

چوہدری ظفر اللہ خان: - اس امر کو تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہیں - لیکن سوال تو یہ ہے - کہ آپ کو کیا اختیارات حاصل ہیں؟ میں ایک فاضل جج کے سوال کے جواب میں یہ بیان کر رہا تھا - کہ کامن لار کے اختیارات کا حاصل ہونا یا نہ ہونا کسی ملک یا صوبہ کی وسعت پر منحصر نہیں ہے - اور قیاس یہی ہے - کہ نو آبادیوں کی ہائیکورٹوں کو کامن لار کے اختیارات حاصل ہیں - چنانچہ اہم کلکتہ [illegible] میں صاف طور پر درج ہے - کہ صوبہ وکٹوریا کی سپریم کورٹ کو ابتداء سے کامن لار کے اختیارات حاصل ہیں - اور میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے - کہ جہاں تک قیاس کا تعلق ہے - دیگر نو آبادیوں کی ہائی کورٹوں کو بھی ایسے ہی اختیارات ضرور حاصل ہوں گے -

میں یہ تو عرض کر ہی چکا ہوں - کہ اس عدالت کی لیٹرز پیٹنٹ (فرمان شاہی) میں ایسے اختیارات درج نہیں ہیں - باقی رہا - یہ امر کہ آیا عدالت کو ہندوستان کے عام قانون کے ماتحت ایسے اختیارات حاصل ہیں - یا کہ نہیں - اول تو ہندوستان میں کوئی ایسا قانون جسے قانون عام یا کامن لار سے تعبیر کیا جائے - رائج ہی نہیں - اور اگر کوئی ایسا قانون ہو بھی تو اس میں توہین عدالت کا مسئلہ کبھی سننے میں نہیں آیا - وراثتی اختیارات کی یہ حالت ہے - کہ اس عدالت کی ماسبق عدالت چیف کورٹ پنجاب تھی - اور وہ عدالت کورٹ آف ریکارڈز ہی نہ تھی - نہ ہی اسے توہین عدالت کے متعلق کوئی سرسری اختیارات حاصل تھے - تو میں یہ عرض کروں گا - کہ نہ ہی لیٹرز پیٹنٹ (فرمان شاہی) کے ماتحت نہ ہی وراثتی طور پر اور نہ ہی کسی عام قانون کے ماتحت اس عدالت کو موجودہ کارروائی کے کرنے کا اختیار حاصل ہے -

مسٹر جسٹس براڈوے: - سید حبیب کے مقدمہ کے علاوہ ایک اور مقدمہ میں بھی اس عدالت نے قرار دیا ہے - کہ ہمیں اختیارات حاصل ہیں -

چوہدری ظفر اللہ خان: - وہ فیصلہ رپورٹ نہیں ہوا -

مسٹر جسٹس براڈوے: - رپورٹ نہ ہوا ہوگا - لیکن قرار تو دیا گیا ہے -

چوہدری ظفر اللہ خان: - اب میں عدالت کی توجہ ان فیصلہ جات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں - جن کی بناء پر یہ کہا جاتا ہے - کہ اس عدالت کو یہ اختیارات حاصل ہیں - اول تو ۱ کلکتہ صفحہ ۹ پریوی کونسل کا فیصلہ ہے - یہ فیصلہ کلکتہ ہائیکورٹ کے متعلق ہے - جو کہ پریذیڈنسی ہائیکورٹ ہے - اور جسے کامن لار کے اختیارات حاصل ہیں - چنانچہ پریوی کونسل نے اپنے فیصلہ میں صریح طور پر کہا ہے - کہ توہین عدالت کے متعلق جو اختیارات کلکتہ ہائیکورٹ کو حاصل ہیں - وہ اس عدالت کو سپریم کورٹ سے جس کی کہ وہ جانشین ہے - وراثتاً ملے ہیں - اور یہ اختیارات ہندوستان کے کسی قانون سے ماخوذ نہیں - بلکہ محض کامن لار کی بناء پر استعمال کئے جاتے ہیں - اس فیصلہ سے صاف طور پر ظاہر ہے - کہ توہین عدالت سے متعلقہ اختیارات کامن لار اور صرف کامن لار ہی سے حاصل کئے جا سکتے ہیں -

دوسرا فیصلہ ۲۴ الہ آباد صفحہ ۹۵ - یہ بھی پریوی کونسل کا فیصلہ ہے - اسکے واقعات یہ ہیں - کہ مسٹر ساسی بھوشن سربدھیکاری جو کہ الہ آباد ہائیکورٹ کے ایڈوکیٹ تھے - عدالت میں کسی مقدمہ میں پیش ہوئے - اور عدالت نے انہیں کسی بات پر ٹوکا - اس پر انہیں رنج ہوا - اور انہوں نے ایک مضمون اس واقعہ کے متعلق ایک اخبار میں لکھا - جس اخبار کے وہ ایڈیٹر بھی تھے -

مسٹر جسٹس براڈوے: - کیا اس مضمون کی تفاصیل میں جانے کی کوئی ضرورت ہے؟

چوہدری ظفر اللہ خان: - میں نے عمداً اس مضمون کی تفصیل کو بیان نہیں کیا لیکن اس فیصلہ کی تشریح کیلئے اور اسکے واقعات کو سمجھنے کیلئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ تمام قضیہ اس مضمون سے برپا ہوا - جو مسٹر سربدھیکاری نے اخبار میں شائع کیا - اس مضمون میں جو الفاظ استعمال کئے گئے - وہ صریح اور مسلمہ طور پر ہتک آمیز تھے لیکن عدالت عالیہ الہ آباد نے اس مضمون کے متعلق توہین عدالت کی کارروائی نہیں کی بلکہ مسٹر سربدھیکاری کے خلاف بطور ایڈوکیٹ عدالت کے کارروائی کی گئی اور اسکے نتیجہ میں چار سال کیلئے لائسنس ضبط کر لیا گیا - اس سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ الہ آباد ہائیکورٹ کا منشاء یہ تھا کہ انہیں توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنیکے اختیار حاصل نہیں ہیں - ورنہ وہ کیوں نہ ایک ایسی کارروائی اختیار کرتے - جو بمقابلہ اس کارروائی کے جو کی گئی زیادہ سہل اور صریح الاثر تھی -

مسٹر جسٹس براڈوے: - ممکن ہے کہ ہائیکورٹ الہ آباد کے ججوں کا یہ خیال ہو کہ ایک ایڈوکیٹ کا لائسنس چار سال کیلئے ضبط کر لینا اسکے لئے زیادہ سخت سزا ہے - بہ نسبت اسکے کہ توہین عدالت میں اسکو چھ ماہ کیلئے جیل میں بھیج دیا جائے -

چوہدری ظفر اللہ خان: - یہ قیاس اسی صورت میں پیدا ہو سکتا تھا جب یہ فرض کر لیا جائے - کہ اجلاس میں بیٹھنے اور ملزم کے عذرات سننے سے قبل ہی عدالت نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ملزم کو فلاں سزا دی جائے گی -

مسٹر جسٹس براڈوے: - یہ قیاس لازمی نہیں -

چوہدری ظفر اللہ خان: - الہ آباد ہائیکورٹ کے فیصلہ کا اپیل پریوی کونسل میں کیا گیا - اور مقدمہ کے واقعات بیان کرنیکے دوران میں جہاں پریوی کونسل نے یہ فقرہ کہا - کہ مسٹر سربدھیکاری کا مضمون ایسا تھا کہ اسکے متعلق توہین عدالت کی کارروائی بھی ہو سکتی تھی -

مسٹر جسٹس براڈوے: - "بھی ہو سکتی تھی" نہیں کہا -

چوہدری ظفر اللہ خان: - میں آپ کو اصل فقرہ پڑھ کر سنانے ہی والا تھا جو اس طرح پر ہے - کہ "عدالت عالیہ کو اختیار تھا کہ وہ توہین عدالت کی کارروائی کر کے ملزم کو قید اور جرمانہ کی سزا دیتی" - اب یہ فقرہ [illegible] مسئلہ کے فیصلہ سے نہیں - واقعات کے بیان کے دوران میں کہا گیا ہے - یہ امر تو واضح ہے - کہ جو کچھ مسٹر سربدھیکاری نے لکھا - وہ توہین عدالت کی حد تک پہنچتا تھا - اور پریوی کونسل نے کہہ دیا - کہ اس پر توہین عدالت کی [illegible]

لیکن یہ مسئلہ اس وقت پریوی کونسل کے سامنے نہیں تھا کہ آیا الہ آباد ہائی کورٹ کو توہین عدالت کی کارروائی کرنے کے اختیارات حاصل ہیں یا نہیں۔ اس لئے اس فقرہ کو پریوی کونسل کا فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ ہم بہر صورت پریوی کونسل کے اظہار رائے کے پابند ہیں۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ میں عرض کروں گا۔ کہ جب تک کوئی مسئلہ بطور نزاع کے پریوی کونسل میں پیش ہو کر فیصلہ نہ ہو۔ آپ پریوی کونسل کی رائے کو احترام کی نظر سے تو دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے پابند نہیں۔ حال ہی میں پریوی کونسل کا ایک فیصلہ ایسا ہوا ہے۔ کہ جس میں انہوں نے اس عدالت عالیہ کے ایک فیصلہ کو ایک ایسے ایکٹ کی بنا پر منسوخ کر دیا۔ جو پنجاب میں رائج ہی نہیں ہے۔ اب ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اس ایکٹ کا اطلاق اس صوبہ میں نہیں۔ اور پریوی کونسل نے اس کا اطلاق کر دیا۔ تو اس سے یہ نتیجہ لازم نہیں آئے گا۔ کہ اس ایکٹ کو آیندہ کے لئے اس صوبہ کے متعلق سمجھا جائے۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ مجلس واضع قوانین نے اس نقص کی اصلاح کر دی ہے۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ بے شک اصلاح تو ہو گئی۔ لیکن اصلاح ہونے سے پیشتر اس عدالت کے ایک فاضل جج نے پریوی کونسل کے اس فیصلہ کی متابعت کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا۔ کہ پریوی کونسل کو اس معاملہ میں صریح غلط فہمی ہوئی ہے۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ بہر صورت اس فیصلہ کا تعلق اس مقدمہ سے نہیں ہے۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ واقعات کے لحاظ سے تو بیشک دونوں فیصلے جدا جدا ہیں۔ میری غرض اس فیصلہ کی طرف اشارہ کرنے سے صرف یہ تھی۔ کہ بعض دفعہ جب پریوی کونسل ایک امر کا فیصلہ کرنے بیٹھتی ہے۔ تو اس سے ایک فاش غلطی صادر ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ پریوی کونسل کا فیصلہ قابل پابندی نہ رہے۔ اور ۲۹ الہ آباد میں تو جو ریمارک کیا گیا ہے وہ بطور فیصلہ کے بھی نہ تھا محض ضمناً واقعات کے بیان کرنے میں ایک ریمارک کر دیا گیا تھا۔

تیسرا فیصلہ ۔ ۴۸ الہ آباد صفحہ ۱۱۷ ہے۔ اس فیصلہ میں ۲۹ الہ آباد صفحہ ۹۵ کے ضمنی ریمارک کا تتبع کیا گیا ہے۔ اور اس مسئلہ پر اس پہلو سے بحث نہیں کی گئی۔ کہ الہ آباد ہائی کورٹ کو کامن لاء کے اختیارات حاصل نہیں۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ مسٹر جسٹس برائز کے فیصلہ میں ایسے ریمارک موجود ہیں۔ جن سے یہ مترشح ہوتا ہے۔ کہ اس مسئلہ پر اس پہلو سے بحث کی گئی تھی۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ بہر صورت ۴۸ الہ آباد اور ۶ لاہور کے فیصلہ جات ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان دونوں کے متعلق میں اپنے اعتراضات پیش کر چکا ہوں۔ آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اس قسم کے اختیارات کا استعمال اپنے اندر فوجداری رنگ رکھتا ہے۔ اور جب تک صریح طور پر یہ اختیارات حاصل نہ ہوں۔ عدالت کو خود بخود انہیں اختیار کرنے میں تامل کرنا چاہیئے۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ یہ کارروائی فوجداری اختیارات کے ماتحت نہیں کی گئی۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ ۱۸ کلکتہ صفحہ ۳۷ میں ایسی کارروائی کو فوجداری کارروائی قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے۔ کہ ایسے اختیارات کا استعمال ایک نئے جرم کے پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ اور عدالت کو نئے جرائم پیدا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ جب تک صریح طور پر ایسے اختیارات حاصل نہ ہوں۔ یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ اس عدالت کو کامن لاء کے اختیارات حاصل نہیں۔ پھر کیوں صرف ایک ایسے مسئلہ کا جو خصوصیت سے کامن لاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ انتخاب کر لیا جائے۔ اور یہ کہا جائے۔ کہ اگرچہ باقی اختیارات تو ہمیں حاصل نہیں ہیں۔ لیکن یہ اختیار ہمیں فرد حاصل ہے۔ بعض فیصلہ جات میں اور خصوصیت سے انگریزی فیصلہ جات میں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ کہ ہر کورٹ آف ریکارڈ کو توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن ان فیصلہ جات میں یہ فرض کر لیا گیا ہے۔ کہ ہر کورٹ آف ریکارڈ کو کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔ جہاں کامن لاء کے اختیارات مفقود ہونگے۔ وہاں یہ دلیل بھی غیر متعلق ہو جائے گی۔ بعض جگہ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ جیسے بغیر جج کے عدالت عدالت نہیں کہلا سکتی۔ اسی طرح بغیر ایسے اختیارات کے عدالت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ مسئلہ انگلستان میں رائج ہو تو ہو ہندوستان میں تو مسلمہ طور پر رائج نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۶ء سے لیکر ۱۹۱۹ء تک پنجاب میں چیف کورٹ قائم رہی۔ اور بغیر ایسے اختیارات کے قائم رہی۔ چیف کورٹ صوبہ کی سب سے اعلےٰ عدالت تھی۔ اور اسے اعلےٰ سے اعلےٰ دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل تھے۔ موجودہ ہائی کورٹ کو بہت کم زائد اختیارات چیف کورٹ پر دیئے گئے ہیں۔ اور جو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ ان کا ذکر صراحت کے ساتھ فرمان شاہی میں کر دیا گیا ہے۔ تو یہ کہنا جائز نہ ہو گا۔ کہ بغیر توہین عدالت کے متعلقہ اختیارات کے عدالت عدالت نہیں رہ سکتی۔ یا عدالت کی عزت برقرار نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح آج تک ہندوستان کے بعض صوبوں میں ایسی عدالت ہائے عالیہ قائم ہیں جن کے سپرد اعلےٰ سے اعلےٰ اختیارات کئے گئے ہیں۔ لیکن انہیں مسلمہ طور پر توہین عدالت کے متعلق سرسری کارروائی کا اختیار نہیں۔ باوجود اس کے وہ عدالتیں قائم ہیں۔ اور ان کے رُعب اور عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس لئے میں عرض کروں گا۔ کہ محض کسی صوبہ کی اعلےٰ عدالت ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس عدالت کو ایسے اختیارات بھی حاصل ہوں۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر میں یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اس عدالت کو اپنی توہین کے متعلق سرسری کارروائی کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور موجودہ کارروائی بوجہ بلا اختیار ہونے کے ناجائز ہے۔ اور اس کو یہیں روک دینا چاہیئے۔

سرکاری وکیل کا جواب

مسٹر کارڈن نوڈ گورنمنٹ ایڈووکیٹ۔ توہین عدالت کی مختلف اقسام ہیں۔ جن کو سول اور کرمنل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سول توہین تو یہ ہے۔ کہ عدالت کے کسی حکم کی نافرمانی کی جائے۔ اور اس نافرمانی کے بدلے میں عدالت کوئی سزا تجویز کرے۔ کرمنل توہین کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے۔ کہ عدالت کے اجلاس کے دوران میں عدالت کے روبرو ایسی کارروائی کی جائے جس سے عدالت کی توہین ہوتی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ دوران مقدمہ میں عدالت سے باہر مقدمہ کے متعلق ایسی باتیں کہی یا لکھی جائیں۔ جو توہین عدالت کا درجہ رکھتی ہوں اور تیسری صورت یہ ہے۔ کہ مقدمہ کے فیصلہ ہو جانے کے بعد عدالت کے متعلق ایسی باتیں کہی یا لکھی جائیں۔ جن سے عدالت کی توہین مقصود ہو۔ موجودہ کارروائی اس تیسری قسم کی توہین کے متعلق ہے۔

میرے فاضل دوست نے اپنی بحث کے دوران میں ان مختلف اقسام توہین کے درمیان تمیز نہیں کی۔ اگر عدالت کو دیگر اقسام توہین کے متعلق سزا دینے کے اختیارات حاصل ہیں۔ تو یقیناً اس آخری قسم کی توہین کے متعلق بھی وہی اختیارات حاصل ہونگے۔

یہ اختیارات انگلستان میں زمانہ قدیم سے استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور کوئی نئے اختیارات نہیں ہیں۔ یہ اختیارات ہر کورٹ آف ریکارڈ کے ساتھ لازمی طور پر متعلق ہیں۔ اور کورٹ آف ریکارڈ کو ان اختیارات کا حاصل ہونا ایک لازم ملزوم امر ہے۔ یہ مسلمہ ہے۔ کہ عدالت عالیہ لاہور کورٹ آف ریکارڈ ہے۔ اس لئے اسے لازماً یہ اختیارات حاصل ہیں۔

میرے فاضل دوست نے پریذیڈنسی ہائی کورٹوں اور دیگر ہائی کورٹوں کے درمیان تمیز کی ہے۔ لیکن ۲۹ الہ آباد صفحہ ۹۵ میں صاف طور پر یہ درج ہے۔ کہ الہ آباد ہائی کورٹ کو یہ اختیارات حاصل ہیں۔ حالانکہ الہ آباد ہائی کورٹ پریذیڈنسی ہائی کورٹ نہیں۔ یہ فیصلہ پریوی کونسل کا فیصلہ ہے۔ اور اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہ ایک ضمنی ریمارک ہے۔ پریوی کونسل کے فیصلوں میں جو کچھ بھی درج ہو۔ وہ ہندوستان کی عدالتوں پر قابل پابندی ہے۔ دیگر فیصلہ جات جن پر میں انحصار رکھتا ہوں۔ وہ میرے فاضل دوست نے آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ۷ لاہور اور ۴۸ الہ آباد میں بھی یہی قرار دیا گیا ہے۔ کہ غیر پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کو بھی یہ اختیارات حاصل ہیں۔

اسی ضمن میں میں آپ کی توجہ ایکٹ ۱۲ سنہ ۱۹۲۶ء جو عدالتہائے ماتحت کی توہین کی نسبت پاس کیا گیا ہے۔ کے اغراض و مقاصد کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ کسی ایکٹ کے اغراض و مقاصد اس کی تعبیر کے لئے متعلق نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

مسٹر نوڈ:۔ میں آپ سے یہ درخواست نہیں کرتا کہ آپ اس ایکٹ کی تعبیر کریں۔ میں صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس ایکٹ کے پاس کرنے میں مجلس واضع قوانین کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ تمام ہائی کورٹوں کو توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کے اختیارات پہلے ہی سے حاصل ہیں۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ اس غرض کے لئے بھی ہم اغراض و مقاصد کا معائنہ نہیں کر سکتے۔

مسٹر نوڈ:۔ تو میں ان کا نام اغراض و مقاصد نہیں رکھتا۔ اپنی بحث کے ایک نوٹ کے طور پر آپ کی خدمت میں ان کو پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ جب یہی غرض خود ایکٹ کی دفعات کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ تو اغراض و مقاصد کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔

مسٹر نوڈ:۔ بہر صورت اس ایکٹ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہے کہ مجلس واضع قوانین کے خیال میں یہ اختیارات اس ہائی کورٹ کو پہلے سے حاصل ہیں۔ ورنہ یہ تو ایک مضحکہ انگیز بات ہو جاتی ہے۔ کہ یہ عدالت اپنی ماتحت عدالتوں کی حفاظت کرنے کا اختیار تو رکھتی ہے۔ لیکن اسے اپنی حفاظت کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

اسی ضمن میں میں آپ کی توجہ میکسویل کی کتاب تعبیر قوانین طبع پنجم صفحہ ۵۷ کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ جس میں یہ درج ہے۔ کہ ایک بعد کے وضع شدہ قانون سے ایک پہلے کے وضع شدہ قانون کی تعبیر میں مدد دی جا سکتی ہے۔

میرے فاضل دوست نے یہ جو بحث کی ہے کہ فیصلہ جات پیش کردہ میں اس پہلو سے اس مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ جو انہوں نے آج عدالت کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ قابل تسلیم نہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں۔ کہ مقدمات کی رپورٹوں میں وکلاء کی بحث پورے طور پر درج نہیں کی جاتی۔ اس لئے یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ان مقدمات میں جن کے فیصلے پیش کئے گئے ہیں۔ اس پہلو سے بحث نہیں کی گئی تھی۔ جس کو میرے فاضل دوست نے آج اٹھایا ہے۔ اور نہ ہی میرے فاضل دوست کی بحث کو وہ جدت حاصل ہے۔ جس کا انہوں نے ادعا کیا ہے۔

چیف کورٹ پنجاب کے متعلق بھی مجھے یہ تسلیم نہیں ہے کہ اسے توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ یہ مسئلہ کبھی چیف کورٹ کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ ورنہ وہاں بھی غالباً یہی قرار دیا جاتا۔ کہ چیف کورٹ کو ایسے اختیارات حاصل ہیں۔

جواب الجواب از چوہدری ظفر اللہ خانصاحب

چوہدری ظفر اللہ خاں:۔ میرے فاضل دوست نے توہین کی مختلف اقسام بیان کر کے یہ قاعدہ پیش کیا ہے۔ کہ جب بعض اقسام کی توہین کے متعلق سزا دینے کے اختیارات حاصل ہیں۔ تو بقیہ اقسام کے متعلق بھی لازماً وہ اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔

یہ دلیل قطعاً قابل پذیرائی نہیں ہے۔ عدالت کے احکام کی نافرمانی کے متعلق جو اختیارات ہیں۔ وہ قانون کی دفعات کے عطاء کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق کوئی تردد پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عدالت کے اجلاس کے دوران میں عدالت کے روبرو کوئی ایسی کارروائی کرنا جس سے عدالت کی کارروائی میں خلل واقع ہو۔ یا جس سے عدالت کی ہتک ہو۔ تعزیرات ہند کی رو سے جرم ہے۔ اور قابل سزا ہے اور یہی تمیز میں عدالت کے روبرو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جن اقسام توہین کے متعلق صریح طور پر قانون نے عدالت کو اختیار نہیں دیا۔ ان کے متعلق یہی قیاس ہونا چاہئیے۔ کہ عمداً ان اختیارات سے عدالت کو محروم کیا گیا ہے۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ بعض اقسام توہین کو تو صراحتاً قابل سزا قرار دیا گیا۔ اور دیگر اقسام کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا گیا۔

دوسرا امر جو میرے فاضل دوست نے پیش کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ انگلستان میں ایسے اختیارات قدیم زمانہ سے استعمال ہوتے چلے آتے ہیں۔ اس کے متعلق میں یہی عرض کروں گا کہ مقدمہ کے فیصلہ ہو جانے کے بعد عدالت کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا یا لکھنا جسے توہین قرار دیا جائے مقابلتہً ایک نئی بات ہے۔ انگلستان میں سب سے پہلی کارروائی اس نوع کی سنہ ۱۷۲۰ء میں عمل میں آئی۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ ممکن ہے۔ کہ سنہ ۱۷۲۰ء سے پیشتر کوئی ایسا واقعہ ہی توہین کا پیش نہ آیا ہو۔

چوہدری ظفر اللہ خاں:۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ سنہ ۱۷۲۰ء سے پیشتر اس قسم کے واقعات کو توہین ہی نہ سمجھا گیا ہو۔ یا بغیر توہین عدالت کی کارروائی کے عدالت کی عزت کو کافی طور پر محفوظ سمجھا گیا ہو۔

تیسرا امر میرے فاضل دوست نے یہ پیش کیا ہے کہ یہ عدالت ۲۹ الہ آباد صفحہ ۹۵ میں جو ریمارک پریوی کونسل نے کیا ہے۔ اس کی پابند ہے۔ اس کے متعلق میں پیشتر وضاحت سے عرض کر چکا ہوں یہ صرف ایک ریمارک ہے فیصلہ نہیں۔ نہ ہی یہ امر پریوی کونسل کے سامنے فیصلہ طلب تھا۔ اسلئے یہ عدالت اس ریمارک کی پابند نہیں۔

میرے فاضل دوست نے ایکٹ ۱۲ سنہ ۱۹۲۶ء کا حوالہ دیکر یہ بحث کی ہے۔ کہ واضعان قوانین نے یہ فرض کیا ہے۔ کہ اس عدالت کو توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ کہ اس ایکٹ میں ایسا فرض کیا گیا ہے؟

چوہدری ظفر اللہ خاں:۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن مجلس واضع قوانین کے مفروضات کے آپ پابند نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہر روز عدالتہائے عالیہ سے ایسے فیصلے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں یہ قرار دیا جاتا ہے۔ کہ فلاں ایکٹ یا فلاں دفعہ کے پاس کرنے میں غرض تو یہ تھی۔ لیکن وہ غرض پوری نہیں ہوئی۔ اور ایسے فیصلہ جات کی بناء پر آئے دن قوانین میں ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ حکومت نے ایک محکمہ اس غرض کے لئے قائم کر رکھا ہے۔ کہ ایسے فیصلہ جات کے نتیجہ میں جو ترمیمیں قانون میں ضروری ہوں ان کے متعلق مسودے تیار کرتا ہے۔ اس لئے میں یہ عرض کروں گا۔ کہ واضعان قوانین کا کسی بات کو فرض کر لینا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ قانون وہی ہے۔ جو فرض کیا گیا ہے۔ اور یہ بات ہر روز کے مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے۔

میرے فاضل دوست نے میکسویل کی کتاب کے صفحہ ۵۷ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن آپ کے سامنے کسی ایکٹ کی تعبیر کا سوال پیش نہیں ہے۔ اس لئے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کہ یہ حوالہ کیسے متعلق ہو سکتا ہے۔

میرے فاضل دوست نے خود ہی یہ دعویٰ میرے ذمہ لگایا ہے۔ کہ میں نے اپنی بحث کے متعلق جدت کا ادعا کیا ہے۔ اور خود ہی اس کی تردید کی ہے۔ کہ اس بحث میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے

قطعاً یہ دعویٰ نہیں۔ کہ میں نے کوئی اچنبھے کی بات نکالی۔ میری رائے میں جو مسئلہ میں نے پیش کیا ہے۔ وہ یقیناً قابل بحث ہے اور اس کامل اجلاس کا انعقاد ایک ایسا موقع تھا۔ جس میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے میں نے یہ مسئلہ پیش کر دیا۔ کسی قسم کی جدت کا ادعا میں نے نہیں کیا۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ اس امر کے اعادہ کی حقیقتاً کیا ضرورت ہے؟

چودھری ظفر اللہ خان۔ کوئی ضرورت نہیں۔ محض اسی لئے اس کا اعادہ کرنا پڑا۔ کہ میرے فاضل دوست نے خواہ مخواہ ایک بات میرے ذمے تھوپ دی۔

میرے فاضل دوست نے آخر میں یہ بھی بحث کی۔ کہ انہیں یہ تسلیم نہیں ہے۔ کہ چیف کورٹ پنجاب کو توہین عدالت کے متعلق اختیارات حاصل نہیں تھے۔ میں یہ کہتا ہوں۔ کہ اگر انہیں ایسے اختیارات حاصل تھے۔ تو ۵۰ سال کے عرصہ میں ان اختیارات کے استعمال کی کوئی نظیر ہمیں ملنی چاہیئے تھی۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ ممکن ہے۔ کہ اس عرصہ میں ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ بہرصورت یہ مسلمہ ہے۔ کہ یہ اختیارات صرف کورٹ آف ریکارڈ کو حاصل ہیں۔ اور چیف کورٹ کورٹ آف ریکارڈ نہیں تھی۔ اس لئے چیف کورٹ کو یہ اختیارات حاصل نہیں تھے۔

اس مرحلہ پر مسٹر جسٹس براڈوے نے اپنے تحریری جملوں سے اشارۃً ان کا مفہوم حاصل کر کے یہ الفاظ کہے۔

ہم قرار دیتے ہیں۔ کہ ہمیں اس معاملہ میں اختیارات حاصل ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی۔ تو اس قرارداد کے وجوہات ہم اپنے فیصلہ میں بیان کر دیں گے۔

اس کے بعد اصل مسئلہ کے متعلق کارروائی شروع ہوئی۔ اور مسٹر کارڈن نوڈ وکیل سرکار نے اپنی تقریر شروع کی۔

مقدمہ توہین عدالت پر وکیل سرکار کی تقریر

مسٹر نوڈ۔ یہ کارروائی اخبار مسلم آؤٹ لک کے ۱۴ جون کے پرچہ میں صفحہ ۳ پر جو مضمون "مستعفی ہو جاؤ" کی سرخی کے ماتحت چھپا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔ گو ملزمان نے ایک تحریری بیان اس عدالت میں پیش کیا ہے۔ لیکن یہ بیان ان الزامات کا ازالہ نہیں کرتا۔ جو ملزمان پر مضمون زیر بحث کے نتیجہ میں عائد ہوتے ہیں۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے۔ ملزمان نے اپنے تحریری بیان میں انہیں درست طور پر بیان کیا ہے۔ مختصر واقعہ یوں ہے۔ کہ رنگیلا رسول کی نگرانی کا فیصلہ کرتے ہوئے مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ نے اس کتاب کے مصنف سے کھلے طور پر نفرت کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے صاف طور پر قرار دیا ہے۔ کہ یہ کتاب گندی اور دل آزار ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی ذات پر اس میں سفیہانہ اور بیباکانہ حملے کئے گئے ہیں۔ انہوں نے قرار دیا ہے۔ کہ یہ کتاب کینہ وری سے لکھی گئی ہے۔ لیکن دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کے الفاظ کی تعبیر کرتے ہیں وہ قانوناً اس امر پر مجبور ہوئے ہیں۔ کہ وہ قرار دیں۔ کہ یہ کتاب دفعہ مذکورہ کی زد میں نہیں آتی۔

اس فیصلہ پر پہنچنے میں انہوں نے اپنی معذوری کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ رائے ظاہر کی ہے۔ کہ تعزیرات ہند کی دفعات میں ایسی ترمیم ضروری ہے۔ جس کے نتیجہ میں رنگیلا رسول جیسی کتابوں کے لکھنے اور شائع کرنے والے قانون کے شکنجہ میں لائے جا سکیں۔

مسلم آؤٹ لک کا مضمون جو زیر بحث ہے۔ مسٹر جسٹس کے اس فیصلہ پر تنقید کرتا ہے۔ لیکن اس مضمون میں اس فیصلہ کے متعلق ایسے ریمارکس کئے گئے ہیں۔ اور ایسے کنایہ موجود ہیں۔ جن کے متعلق ایک پڑھنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلہ کے متعلق ایسی باتیں کیونکر منسوب کی گئیں۔

مضمون کے پہلے فقرہ میں دو مطالبات کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ ہائی کورٹ کی ججی سے استعفا دیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس امر کے متعلق تحقیقات کی جائے۔ کہ یہ غیر معمولی فیصلہ کن غیر معمولی حالات کے ماتحت لکھا گیا۔

میں درمیانی حصہ مضمون کو ترک کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ کم و بیش تنقید کا رنگ رکھتا ہے۔ اور اس حصہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کا فیصلہ غلط ہے۔ میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی فیصلہ کو غلط یا خلاف قانون قرار دے۔ چنانچہ ہم لوگ جو قانون پیشہ ہیں۔ ہر روز مختلف عدالتوں کے فیصلہ جات کے متعلق یہ بحث کرتے رہتے ہیں۔ کہ فلاں فیصلہ غلط ہے۔ یا خلاف قانون ہے۔ اس امر پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن مضمون زیر بحث کے آخری سے پہلے فقرہ میں فاضل جج سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ پیشتر اس کے کہ حکومت انہیں ججی سے علیحدہ کر دے۔ انہیں خود بخود اس رسوائی سے بچنے کے لئے استعفا دیدینا چاہیئے۔

میں یہ عرض کروں گا کہ اس فقرہ میں خود فاضل جج کی تو کوئی توہین ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس عدالت کی حیثیت مجموعی ضرور توہین ہے۔ اس امر کا فیصلہ میں عدالت ہی پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن اس مضمون کا آخری فقرہ عدالت کی سخت توہین کرتا ہے۔ اس فقرہ کے ابتدائی جملے تو میں سمجھ نہیں سکا۔ لیکن آخری جملے یہ ہیں "ہمیں نیک نیتی سے یقین ہے۔ کہ فاضل جج کی اس غیر معمولی لغزش کے کوئی غیر معمولی اسباب ہیں۔ اگر ایسا ہے۔ تو ان اسباب کو روز روشن میں لانا ایک پبلک فرض ہے"۔ گویا اس فقرہ میں یہ مفہوم مرکوز ہے۔ کہ یہ فیصلہ دیانت داری سے جوڈیشل وجوہات کی بناء پر صادر نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کی وجوہات غیر جوڈیشل ہیں۔ لکھنے والے کی مراد صرف یہی نہیں۔ کہ فیصلہ غلط ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک یہ فیصلہ ایسے صریح اور فاش طور پر غلط ہے کہ اس کو اس فیصلہ کے پیچھے غیر جوڈیشل اسباب کی جھلک نظر آ رہی ہے۔ اس کی رائے میں اس فیصلہ کی تہ میں قومی یا مذہبی اختلاف یا اس قسم کی اور وجوہ جھلک دکھا رہی ہیں۔

ایک جج کے متعلق اس طور پر اشارہ کرنا۔ کہ ایک فیصلہ کرنے میں اس نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ اور بیرونی یا غیر متعلق اسباب سے متاثر ہو کر اس نے فیصلہ صادر کیا ہے۔ عدالت کی صریح توہین ہے چنانچہ ۶ لاہور صفحہ ۵۲۸ میں عدالت قرار دے چکی ہے۔ کہ کسی جج کے متعلق ایسا اتہام لگانا توہین عدالت ہے۔

اس مقدمہ کے واقعات پر اس فیصلہ کا صاف طور پر اطلاق ہوتا ہے۔ یہ توہین ایک ایسا انگریزی اخبار میں کی گئی ہے۔ جس کے بہت سے پڑھنے والے ہیں۔ اس لئے اس کا اثر بہت وسیع حلقوں میں پڑنے کا احتمال ہے۔ اس اخبار کو ایک گورمکھی کے اخبار پر جو دیہاتی جہلاء کے طبقہ میں پڑھا جاتا ہے۔ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے پڑھنے والے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ جن پر اس مضمون کا برا اثر پڑنے کا احتمال ہے۔ یہ مضمون ۱۴ جون کو شائع ہوا۔ اور اس کے بعد بھی اس مسئلہ کے متعلق اس اخبار میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ لیکن بعد کے پرچوں میں سے کسی میں بھی اس مضمون کے متعلق اظہار افسوس نہیں کیا گیا۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ بعد کے پرچوں کا کیا ذکر ہے۔ ملزمان نے تو اپنے تحریری بیان میں بھی کسی قسم کا اظہار افسوس نہیں کیا۔

مسٹر نوڈ۔ نہ ہی صرف یہ بلکہ انہوں نے فخر کا اظہار کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو شاباش دیتے ہیں۔

ایڈیٹر کی ذمہ داری تو اس مضمون کے متعلق ظاہر ہی ہے۔ قانوناً ناشر و طابع کی ذمہ داری بھی ویسی ہی ہے۔ جیسی کہ ایڈیٹر کی۔ خصوصاً جب ایڈیٹر نے پوری ذمہ داری تسلیم نہیں کی۔

سید حبیب کے مقدمہ میں باوجود سید حبیب کے معافی مانگنے اور شرمندگی کا اظہار کرنے کے اور اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ سید حبیب کا معاملہ اس نوع کا پہلا معاملہ تھا۔ عدالت نے سید حبیب کو ایک ماہ قید اور ایکہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی تھی

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ بصورت جرم کے قائم کئے جانے کے سزا کا معاملہ کامل طور پر عدالت کے اختیار میں ہے اس کے متعلق کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔

مسٹر لوڈ:۔ سزا کے معاملہ کو میں عدالت ہی کے اختیار میں چھوڑتا ہوں

(اس مرحلہ پر لنچ کیلئے عدالت کا اجلاس برخاست ہوا)

چودھری ظفر اللہ خانصاحب کی جوابی تقریر

چودھری ظفر اللہ خان:۔ میرے موکل کے نام جو نوٹس اس عدالت سے جاری ہوا تھا۔ اس میں ہر جون کے سارے کے سارے مضمون کے متعلق جواب طلبی کی گئی تھی۔ سب جو درخواست فاضل گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے اس عدالت میں موجودہ کارروائی جاری کرنے کے لئے دی تھی۔ اس میں بھی سارے مضمون کے خلاف شکایت کی گئی تھی۔ اس لئے میرے موکل نے تمام مضمون کے متعلق مفصل تحریری بیان داخل کیا ہے۔ آج فاضل گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے الزامات کو مضمون کے پہلے اور آخری دو فقروں تک محدود کر دیا ہے۔ اگر نوٹس میں بھی یہ حدبندی کر دی جاتی تو اس قدر مفصل بیان کی ضرورت نہ پڑتی۔ بہر صورت میرے فاضل دوست نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ کسی فیصلہ کے متعلق یہ کہنا کہ یہ غلط اور غیر منصفانہ ہے۔ توہین عدالت نہیں۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے غیر منصفانہ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ لفظ خلاف قانون استعمال کیا ہے

چودھری ظفر اللہ خان:۔ یہی سہی۔ بہر حال میرے فاضل دوست کو مضمون کے درمیانی حصہ کے متعلق کوئی اعتراض نہیں۔ انہوں نے دو باتوں پر اعتراض کیا ہے۔ ایک یہ کہ فاضل جج سے مستعفی ہو جانے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور دوسرے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ ایک کمیشن بٹھایا جائے۔ جو اس غیر معمولی فیصلہ کے غیر معمولی وجوہات کی تحقیق کرے۔ پہلے مطالبہ کے متعلق میرے فاضل دوست نے کہا ہے۔ کہ اس میں فاضل جج کی تو کوئی ایسی توہین نہیں۔ البتہ اس عدالت کی ضرور توہین ہے۔ توہین عدالت کے متعلق ہم نے تو یہی سنا ہے۔ کہ وہی چیز توہین قرار دی جاتی ہے۔ جو عدالت کی توہین ہو۔ اس لئے میرے فاضل دوست نے یہ جو تمیز جج کی توہین اور عدالت کی توہین میں کرنی چاہی ہے اسکی غایت کو میں نہیں سمجھ سکا۔

سوال یہی ہے۔ کہ آیا کسی جج کے متعلق یہ مطالبہ کرنا کہ چونکہ اس نے ایک فیصلہ دینے میں فاش غلطی کی ہے۔ اور اس غلطی سے خطرناک نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے اس جج کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائے۔ توہین عدالت ہے۔ یا نہیں؟

میں عرض کروں گا۔ کہ ایسا مطالبہ کرنے سے عدالت کی قطعاً کوئی توہین نہیں ہوتی۔ آپ ایک لحظہ کے لئے یہ فرض کریں کہ عدالت عالیہ کا ایک فاضل جج پے در پے غلط فیصلہ جات صادر کرتا ہے۔ اور وہ فیصلہ جات اپیل میں متواتر منسوخ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس پر ایک اخبار نویس یہ مطالبہ کرتا ہے۔ کہ ایسے جج کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ تو میں کہوں گا کہ یہ مطالبہ بالکل جائز ہوگا۔ اور اس میں نہ جج کی توہین ہوگی نہ عدالت کی۔ تو استعفار کا مطالبہ کرنا اپنے اندر کوئی توہین نہیں رکھتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جن وجوہ کی بنا پر استعفار کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ وجوہات صحیح نہ ہوں۔ یا ناکافی ہوں۔ اور استعفار کا مطالبہ ناواجب ہو۔ لیکن اس صورت میں بھی عدالت کی کوئی ہتک نہیں۔ بعض دفعہ فاضل ججوں نے خود دیوار تسلیم کیا ہے۔ کہ بعض حالات میں ایسا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگرچہ وہ مطالبہ کسی حد تک ناجائز بھی ہو۔ جج کو چاہیئے۔ کہ ایسے مطالبہ کو تسلیم کرلے۔ چنانچہ سر بارنس پیکاک چیف جسٹس کلکتہ ہائیکورٹ جو بعد میں پریوی کونسل کے جج بھی ہوئے۔ اور ہندوستان کے قابل ترین ججوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اپنے ایک فیصلہ میں جو ۱۴۳ ایڈین کیسز صفحہ ۹۳۰ پر چھپا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"میں پبلک کا ایک خادم ہوں۔ اور پبلک کی رائے کا احترام کرتا ہوں۔ اگر پبلک یہ یقین کرتی ہے۔ کہ میں نے ان اعلیٰ اختیارات کا جو میرے سپرد کئے گئے ہیں۔ خود سرانہ، جابرانہ یا ظالمانہ استعمال کیا ہے۔ یا یہ کہ میں نے ان اختیارات کو خلاف ضابطہ طور پر برتا ہے۔ تو ملک کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنی رائے کسی ایسے طریق سے ظاہر کر دے۔ جس کے متعلق غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے۔ تو اس صورت میں میں ان کے فیصلہ کے سامنے اپنا سر خم کر دونگا۔ لیکن چند اخبارات کے اظہار رائے کو رائے عامہ کے اظہار کا مترادف قرار دینے کو تیار نہیں۔ اگر کسی وقت بد قسمتی سے میں پبلک کے اعتماد کو کھو دوں۔ خواہ اس میں میرا قصور ہو یا نہ ہو۔ تو میں ان اختیارات سے فوراً علیحدہ ہو جانے کیلئے تیار ہو جاؤنگا۔ جن کا استعمال پبلک کے اعتماد کے بغیر میں پبلک کے فائدہ کیلئے نہیں کر سکتا۔"

اس حوالہ سے صریح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایسے موقع پیدا ہو سکتے ہیں جب ایک فاضل جج سے بھی اس امر کا مطالبہ کیا جا سکے۔ کہ وہ اپنے عہدہ سے الگ ہو جائے۔ آپ ایک لحظہ کے لئے فرض کرلیں۔ کہ سر بارنس پیکاک کے متذکرہ بالا اعلان کے بعد کوئی اخبار یہ اعلان شائع کرتا۔ کہ ہمیں سر بارنس پیکاک پر اعتماد نہیں رہا۔ اس لئے وہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائیں۔ تو کیا یہ ایک مضحکہ انگیز بات نہ ہوتی۔ اگر سر بارنس پیکاک اس کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی جاری کر دیتے۔ اس لئے میں یہ عرض کروں گا۔ کہ یہ مطالبہ واجب ہو یا ناواجب اپنی ذات میں یہ توہین عدالت نہیں ہے۔

دوسرا مطالبہ جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ توہین کی حد تک پہنچتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس غیر معمولی لغزش کے غیر معمولی اسباب دریافت کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔

مسٹر جسٹس ٹم اڈوے:۔ کیا اس سے صریح طور پر یہ مراد نہیں ہے۔ کہ فاضل جج نے یہ فیصلہ ایسے اسباب سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ جو بیرونی یا غیر جوڈیشل اسباب ہیں؟

چودھری ظفر اللہ خان:۔ اس فقرہ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے معانی بھی ہو سکتے ہیں۔ جن میں عدالت کی کوئی توہین نہ ہو۔ اور اگر یہ فقرہ ایسا ہے۔ کہ اس کے دونوں قسم کے معانی ہو سکتے ہیں۔ تو عدالت کو چاہیئے۔ کہ وہ معانی اختیار کرے۔ جو قابل اعتراض نہ ہوں۔ کیونکہ عدالت کو ہر شخص کی نیت کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیئے۔ خصوصاً جب خود مصنف نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ ان الفاظ سے جج پر کوئی ذاتی حملہ کرنا مقصود نہیں تھا

مسٹر جسٹس ٹم اڈوے:۔ اگر اس کے وہ معنی نہیں۔ جو بیان کئے گئے ہیں۔ تو تمہارے نزدیک اسکے کیا معنی ہیں؟

چودھری ظفر اللہ خان:۔ مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ رنگیلا رسول کتاب کے فیصلہ نے مسلمانوں میں ایک تہلکہ مچا دیا اور سراسیمگی کی حالت پیدا کر دی۔ ساتھ ہی یہ کہ مصنف مضمون کے خیال میں دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کے الفاظ اس قدر سادہ اور واضح ہیں۔ کہ رنگیلا رسول جیسی کتاب یقیناً اس دفعہ کی زد میں آتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس فیصلہ نے اسے حیرت اور استعجاب میں ڈال دیا۔ اور اس حیرت اور استعجاب کی حالت میں وہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ کوئی کمیشن بٹھاؤ۔ جو اس فیصلہ کی وجوہات معلوم کر کے ہمارا اطمینان کرے کہ ایسی فاش غلطی فاضل جج سے کیسے سرزد ہوئی۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ ایسا کمیشن کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اور وہ کونسی وجوہات معلوم کر سکتا ہے؟

چودھری ظفر اللہ خان:۔ ایسے سوالات کا جواب دینے میں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ میں ایک قانون دان کے نقطہ نظر کو عدالت کے سامنے پیش نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ ایک عام شہری کے نقطہ نظر کو پیش کرتا ہوں۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ اس مضمون سے تو ظاہر ہے کہ اس کا مصنف اپنے تئیں قانون دان خیال کرتا ہے۔

چودہری ظفر اللہ خان:۔ اور اسی مضمون سے اس کی قانونی لیاقت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔ کہ فاضل جج کو واقعاتی امور میں اور ماتحت عدالتوں کی تجاویز سے اختلاف نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ حالانکہ مقدمہ کے واقعات مسلمہ ہیں۔ اور واقعاتی تجاویز کے ساتھ فاضل جج نے اپنا اتفاق ظاہر کیا ہے۔ اختلاف صرف قانون کی تعبیر کے متعلق ہے۔ بہر حال مضمون کا مصنف قانون دان نہیں ہے۔ اس لئے مجھے اس کے خیالات یا اس کے ذہنی نقشہ کو عدالت میں پیش کرتے وقت اس کی حیثیت کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔ اور ساتھ ہی ایک ایسی فرضی حالت کے متعلق بحث کرنی پڑے گی۔ جو واقع میں ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ یعنی یہ کہ تحقیقاتی کمیشن کیسے بیٹھتا۔ اور وہ کن امور کی تحقیقات کرتا۔ قانونی طور پر تو ہم جانتے ہیں۔ کہ ہائیکورٹوں کے فیصلوں پر تحقیقاتی کمیشن نہیں بیٹھا کرتے۔ اس لئے میں اس ضابطہ کی تشریح تو نہیں کر سکتا۔ جس کے مطابق کمیشن بٹھایا جائے۔ نہ یہ بتا سکتا ہوں۔ کہ کس طور پر ایسا کمیشن تحقیقات کرتا۔ البتہ یہ کوشش کر سکتا ہوں۔ کہ یہ بیان کروں۔ کہ ایک عام شہری کے ایسے مطالبہ سے کیا مراد ہو سکتی ہے۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ میں ایسی تعبیر سننے کا مشتاق ہوں۔ جس سے یہ یقین ہو سکے۔ کہ مصنف کی مراد اس جملہ سے جج کی نیت پر حملہ کرنا نہیں تھی۔ اگر ضرورت ہو۔ تو میں کھینچ تان کر بھی ایسی تعبیر کا فایدہ ملزمان کو دینے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ تعبیر معقول ہو۔ اور تعبیر کے عام اصولوں کے مطابق ہو۔

چودہری ظفر اللہ خان:۔ مصنف کی یہ مراد ہو سکتی ہے۔ کہ اگر تحقیقات کی جائے۔ تو ممکن ہے۔ کوئی ایسے وجوہات ظاہر ہوں۔ جیسے یہ کہ سرکار کی طرف سے مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کے سامنے رنگیلا رسول کتاب والے مقدمہ میں پورے طور پر بحث نہیں کی گئی۔ اور فاضل جج کی تشفی نہیں کی گئی۔ کہ جو تعبیر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کی وہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ کیا یہ معقول تعبیر اس فقرہ کی ہو سکتی ہے؟ اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس فقرہ سے یہی مراد تھی۔

چودہری ظفر اللہ خان:۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اس فقرہ کی یہ بھی تعبیر ہو سکتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ جیسے میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک فقرہ کی مختلف تعبیریں کی جاسکیں۔ جن میں سے بعض قابل اعتراض ہوں۔ اور بعض پر کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔ یہی حالت فقرہ زیر غور کی ہے۔ ایسی صورت میں عدالت کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ قابل اعتراض تعبیر کو اختیار نہ کرے۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ جب آپ نے یہ مضمون پڑھا۔ تو اس سے کیا مراد لی تھی؟

چودہری ظفر اللہ خان:۔ جب میں نے یہ مضمون پڑھا۔ تو نہ تو میری طبیعت میں یہ بات آئی۔ کہ اس فقرہ سے مراد یہ ہے۔ کہ جج نے کسی بیرونی اثر کے ماتحت یہ فیصلہ لکھا ہے۔ اور نہ یہ بات میرے ذہن میں آئی۔ کہ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ ممکن ہے۔ مقدمہ کی بحث میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ میں نے سرسری طور پر اس مضمون کو پڑھا۔ میں جانتا تھا۔ کہ فیصلوں پر تحقیقاتی کمیشن نہیں بیٹھا کرتے۔ اس لئے میں نے اس فقرہ کو بے معنی تصور کیا۔

پھر اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کہ فاضل جج نے وکلاء کی بحث کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔ یا یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کہ فاضل جج کی غلطی اس امر میں تھی۔ کہ جب انہوں نے قرار دیا۔ کہ کتاب رنگیلا رسول ایک دل آزار اور گندی کتاب ہے۔ جس میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی پر بوجہ کینہ و دشمنی حملے کئے گئے ہیں۔ اور اس امر کا بھی اظہار کیا۔ کہ وہ باوجود اس تعبیر کے جو ان کے نزدیک دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کی صحیح تعبیر ہے۔ اس فیصلہ تک پہنچنے پر خوشی سے نہیں۔ بلکہ بادل ناخواستہ مجبور ہیں۔ اور وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے۔ جیسا کہ انہیں محسوس کرنا چاہیئے تھا۔ کہ اس فیصلہ کے بہت وسیع اور خطرناک نتائج ہوں گے۔ تو انہیں چاہیئے تھا۔ کہ اس فیصلہ کی ذمہ واری وہ اکیلے اپنے کندھوں پر نہ اٹھاتے۔ بلکہ اس مقدمہ کو دو ججوں کے پاس فیصلہ کے لئے بھیجدیتے۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ اس تعبیر سے تو اور بھی کام خراب ہوتا ہے۔

چودہری ظفر اللہ خان:۔ اس سے مراد جج کی نیت پر کوئی حملہ نہیں۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ کہ معمولی معمولی قانونی مسائل کے پیدا ہونے پر مقدمات دو ججوں کے پاس فیصلہ کے لئے بھیجدئے جاتے۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ یہاں یہ سوال نہیں یہاں تو سوال یہ ہے۔ کہ مصنف مضمون یہ کہتا ہے۔ کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ فیصلہ ہوا کیسے؟ اس کے پیچھے ضرور کوئی بات ہوگی۔ اس کو معلوم کرنا چاہیئے۔

چودہری ظفر اللہ خان:۔ یہ بات کہ یہ فیصلہ ہوا کیسے یہ تو کئی دفعہ فاضل ججوں کے منہ سے بھی سننے میں آجاتی ہے۔ بعض دفعہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کسی درمیانی مرحلہ پر ایک فاضل جج ایک حکم صادر کرتا ہے۔ اور بعد کے کسی مرحلہ پر جب وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ درمیانی حکم جاری نہ ہونا چاہیئے تھا۔ تو وہ یہ کہہ دیتا ہے۔ کہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ میں نے یہ حکم کیسے دیدیا۔

مسٹر جسٹس براڈوے:۔ یہاں جج کے الفاظ کی تعبیر درکار نہیں۔ بلکہ ایک اخبار نویس کے الفاظ کی تعبیر درکار ہے۔

چودہری ظفر اللہ خان:۔ بے شک جج کے الفاظ کی تعبیر درکار نہیں۔ لیکن میری مراد یہ ہے۔ کہ ایسے الفاظ کا استعمال جائز طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور لازم نہیں ہے۔ کہ کوئی قابل اعتراض مفہوم ہی ان میں پنہاں ہو۔ اسی طرح دریافت وجوہات کا مطالبہ بھی بغیر جج کی نیت پر حملہ کئے کے ہو سکتا ہے۔ آخر آجا کر بات تو یہیں آٹھہرتی ہے۔ کہ آیا فقرہ زیر بحث سے کوئی مراد ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ جو قابل اعتراض نہ ہو۔ اور اگر ایسی مراد ہو سکتی ہے۔ تو پھر یہ فقرہ قابل گرفت نہیں ہے۔

باقی حصہ مضمون کے متعلق میرے فاضل دوست کو کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ وہ حصہ تنقید کی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ صحیح ہوں۔ یا غلط بجا ہوں یا بے جا۔ ایک اخبار نویس کو یہ حق ہے۔ کہ وہ اس رنگ میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ ایک معنی میں تو کسی فیصلہ کے متعلق یہ بھی کہہ دینا کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ یا خلاف قانون ہے۔ عدالت کی ہتک ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو جج غلط فیصلے کرتے ہیں۔ وہ نالائق ہیں لیکن یہ مسلم ہے۔ کہ غلط فیصلے بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور غلط فیصلہ کو غلط کہنا اور صحیح فیصلہ کے ساتھ اختلاف کر کے اسے خلاف قانون قرار دینا توہین عدالت نہیں ہے۔ اسی طرح جج کی لیاقت یا قانون دانی پر حرف رکھنا گو ناجائز طور پر ایسا کیا جائے۔ توہین عدالت شمار نہیں کیا جاسکتا۔

پس ایسی صورت میں جبکہ اکثر حصہ مضمون قابل گرفت نہیں۔ تو ایک آدھ فقرہ کو اس میں سے انتخاب کر کے یہ کہنا۔ کہ چونکہ اس فقرہ سے ایسی مراد لی جا سکتی ہے۔ جو توہین عدالت تک پہنچتی ہو۔ اس لئے اس مضمون کا مصنف قابل سزا ہے۔ جائز نہ ہوگا۔ انگریزی اور ہندوستانی عدالتوں میں بار بار یہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ توہین عدالت کی کارروائی نہایت واضح اور نہایت فاحش توہین کی صورت میں ہونی چاہیئے۔ اور جہاں ذرا بھی معاملہ مشکوک ہو۔ وہاں یہ تعزیری کارروائی نہیں ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مقدمہ ملکہ بنام گرے سنہ ۱۹۰۰ء دو کوئینز بینچ صفحہ ۴۰ میں یہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ پبلک کو بہت وسیع اختیارات عدالتوں کی کارروائی پر تنقید و نکتہ چینی کرنے کے ہیں۔ اور توہین عدالت کے متعلق اختیارات کا استعمال بہت ہی شاذ حالات میں اور صرف فاحش موقعوں میں ہونا چاہیئے۔

۴۸ انڈین کیسز صفحہ ۱۷۶ میں پریوی کونسل نے یہ قرار دیا ہے۔ کہ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ کہ عدالتوں یا ججوں کو کوئی خاص حفاظت تنقید اور نکتہ چینی سے حاصل ہے۔ ججوں کے پبلک افعال بھی ایسے ہی تنقید کے ماتحت ہیں۔ جیسے اور لوگوں کے۔

۸۳ کلکتہ صفحہ ۳۷ میں فاضل ججان نے بہت سے حوالے انگریزی فیصلہ جات کے دیئے ہیں۔ جن میں یہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ چونکہ توہین عدالت کے متعلق اختیارات نہایت وسیع اور غیر محدود ہیں۔ اور سزا کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ نہ ہی اپیل کا حق حاصل ہے۔ اور عدالت خود ایک ایسے معاملہ میں منصف بنتی ہے۔ جو اس کے اپنے وقار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ان وسیع اختیارات کا استعمال نہایت احتیاط کے ساتھ اور بہت شاذ موقعوں پر ہونا چاہیئے۔ ایک انگریز جج نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ میں یہ اصرار واضح کرنا چاہتا ہوں۔ کہ دنیا توہین عدالت کے مسئلہ کے متعلق پاگل ہو گئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ توہین عدالت کی کارروائی کو عمل میں لانا اکثر دفعہ اپنے مقصد کو خود ہی ناکام کر دیتا ہے۔

آخر میں میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرے فاضل دوست نے جو یہ کہا ہے۔ کہ مصنف مضمون نے اس مضمون کی پوری ذمہ داری اپنے سر پر نہیں لی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے میرے فاضل دوست نے میرے موکل کے تحریری بیان کا وہ حصہ نہ پڑھا ہو۔ جس میں انہوں نے اس ذمہ داری کا اظہار کیا ہے۔ اور پرنٹر و پبلشر کی ذمہ داری کو اصطلاحی قرار دیا ہے۔ چونکہ تحریری بیان کسی قدر لمبا ہے۔ اور یہ فقرہ اس کے اختتام کے قریب ہے۔ اس لئے میرے فاضل دوست کی نظر سے یہ اوجھل رہا ہے۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ آپ پرنٹر و پبلشر کی طرف سے وکیل نہیں ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق آپ کی طرف سے بحث ضروری نہیں۔

چودھری ظفر اللہ خان۔ میں پرنٹر اور پبلشر کی طرف سے بحث نہیں کرنا چاہتا لیکن اس امر کو ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرا موکل مضمون زیر بحث کی کامل ذمہ داری اپنے سر پر لیتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر جو میں نے دوران بحث میں پیش کئے ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا۔ کہ اس رول کو ڈسچارج کر دیا جائے۔ اگر عدالت کی رائے میں ملزمان کا فعل توہین عدالت کی حد تک پہنچتا ہے۔ تو ایسی صورت میں میں سزا کے متعلق اس سے پہلے کچھ نہیں کہوں گا۔ کہ میرے فاضل دوست کو بھی عدالت نے اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔ لیکن میں اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ چونکہ مسلم آؤٹ لک انگریزی کا اخبار ہے۔ اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں جاتا ہے۔ ایسے لوگ جو بقول سر بارنس پیکاک سوچنے اور سمجھنے کے عادی ہیں۔ اس لئے اس مضمون سے کوئی برے اثرات پیدا ہونے کا چنداں احتمال نہیں ہے۔ میرے فاضل دوست نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ ملزمان نے اپنے بیان میں فخر اور تعلی سے کام لیا ہے۔ فخر اور تعلی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ملزمان یہ سمجھتے ہیں۔ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ جائز تنقید کی حدود کے اندر آتا ہے۔ اور اسی لئے قابل گرفت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور اس میں کسی افسوس یا کسی فخر کا کوئی موقع نہیں۔

مولوی نور الحق صاحب کی طرف سے شیخ نیاز محمد صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ نے یہ بات پیش کی۔ کہ مضمون کی ذمہ داری اولاً ایڈیٹر کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور پرنٹر و پبلشر کی ذمہ داری اسی صورت میں اصل ذمہ داری قرار دی جا سکتی ہے۔ جبکہ ایڈیٹر یا مصنف کا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ اس مقدمہ میں چونکہ ایڈیٹر نے پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ لہذا پرنٹر و پبلشر کی ذمہ داری محض ایک اصطلاحی ذمہ داری رہ جاتی ہے۔ چنانچہ مختلف فیصلہ جات میں اس تمیز کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور یا تو پرنٹر و پبلشر کے خلاف کارروائی ہی نہیں کی گئی۔ اور یا کارروائی کرنے کی صورت میں اسے ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔ یا بہت خفیف سزا پر اکتفا کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔ ۱۰ کلکتہ صفحہ ۱۰۹۔ ۵۴ انڈین کیسز صفحہ ۱۱۳۔ ۵۴ کلکتہ صفحہ ۱۷۹۔ اور ۸۴ الہ آباد صفحہ ۱۷۱۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ یہ صورت تو ان مقدمات میں ہوتی ہے۔ جہاں پرنٹر و پبلشر مضمون کے متعلق بے علمی ظاہر کرتا ہے۔ اور اظہار افسوس کرتا ہے۔ لیکن اس مقدمہ میں تو نہ ہی صرف ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنے تئیں مصنف کے ساتھ شامل کرتا ہے۔ کیا اب بھی وہ اظہار افسوس کرنے کو تیار ہے؟

اس مرحلہ پر مولوی نور الحق صاحب پرنٹر و پبلشر نے کھڑے ہو کر بیان کیا۔ کہ یہ معاملہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ میں اس مضمون کی پوری ذمہ داری اپنے سر پر لیتا ہوں۔ خواہ وہ ذمہ داری قانوناً مجھ پر عاید ہوتی ہو یا نہ۔

مسٹر جسٹس براڈوے۔ پرنٹر و پبلشر تو اب بھی اظہار افسوس کو تیار نہیں ہے۔ بلکہ اس کی طرف سے جو بحث کی گئی ہے۔ اس کی تائید سے بھی پرہیز کرتا ہے۔

مسٹر نوڈ وکیل سرکار۔ میں صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ملزمان کی طرف سے جو مفہوم فقرہ زیر بحث کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ قابل قبول نہیں۔ اور اس فقرہ سے صاف توہین عدالت مقصود ہے۔

اس کے بعد مسٹر جسٹس براڈوے نے شریک ججوں سے مشورہ کے بعد فیصلہ سنا دیا۔

مسلم آؤٹ لک کے فیصلہ کے خلاف آواز

مسلمانان نوشہرہ کا جلسہ

مدیر محترم الفضل قادیان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جلسہ عام مسلمانان نوشہرہ منعقدہ ۲۳ جون ۱۹۲۷ء نے مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور کیں۔ جو بغرض اشاعت ارسال خدمت ہیں۔

(۱) یہ جلسہ حکومت پر ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔ کہ حال میں جو فیصلہ سزا برخلاف مدیر طابع و ناشر موقر جریدہ "مسلم آؤٹ لک" لاہور مقدمہ رنگیلا رسول کے ضمن میں عدالت عالیہ پنجاب نے صادر کیا ہے۔ اس سے جملہ مسلم آبادی کے مذہبی احساسات کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک مقدس رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت دنیا کی ہر ایک چیز سے زیادہ محبوب ترین متاع ہے۔ مزید برآں یہ جلسہ مسلم آؤٹ لک کے ساتھ کلی طور پر اتفاق رائے کرتا ہے۔ کہ جسٹس کنور دلیپ سنگھ کو اپنے منصب سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

(۲) یہ کہ مندرجہ بالا قرار داد کی نقول گورنمنٹ آف پنجاب پرائیویٹ سکرٹری ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل انڈیا۔ سکرٹری صیغہ خارجہ گورنمنٹ ہند۔ چیف کمشنر صاحب صوبہ سرحد۔ ڈپٹی کمشنر صاحب پشاور۔ آل انڈیا مسلم لیگ دہلی۔ مسلم ایسوسی ایشن پشاور اور پریس کو بغرض اشاعت روانہ کی جاویں۔ (دستخط صاحب ...)

(اشتہارات)

سوامی شردہانند کے واقعہ قتل

کو بہانہ بنا کر ان دنوں آریوں اور ہندوؤں نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ ہندوستان کے سات کروڑ کلمہ گو مسلمانوں کو اسلام سے مرتد کر کے ہندو بنا لیا جائے۔ تاکہ خدا اور اس کے پاک رسول کا ایک بھی نام لیوا اس ملک میں باقی نہ رہے۔ اور یہ ایسی خوفناک اور دہلا دینے والی تحریک ہے۔ کہ جس کا مقابلہ ہر ایک توحید پرست مسلمان کو پوری قوت اور طاقت سے کرنا چاہیئے۔ اور اس کا صحیح علاج یہ ہے۔ کہ اسلام کے شیدائی جہاں تک ان سے ممکن ہو۔ مندرجہ ذیل کتابیں خرید کر نہ صرف خود پڑھیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی پڑھائیں۔ تاکہ وہ اپنے پیارے مذہب سے واقف ہو کر نہ صرف فتنہ ارتداد سے بچ جائیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسلام کا گرویدہ بنانے اور انہیں اپنے ساتھ ملانے پر قادر ہو سکیں ۔

تصانیف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پرانی تحریریں اس میں مسئلہ الہام اور قدامت روح مادہ پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۳ ر ۔

براہین احمدیہ اس میں نہ صرف اسلام۔ قرآن۔ اور حضرت نبی کریم کی صداقت و منجانب اللہ ہونے پر نہایت ہی عجیب طرز پر بحث کی گئی ہے۔ بلکہ ادیان باطلہ کی تردید میں بھی بہت سی ناقابل تردید دلائل مرقوم ہیں۔ ممکن نہیں۔ کہ اس کتاب کو پڑھ کر متعصب سے متعصب غیر مسلم بھی اسلام کی صداقت کا قائل نہ ہو۔ بہی خواہان اسلام پر فرض ہے۔ کہ وہ اس لطیف تصنیف سے غیر مسلموں کو روشناس کرائیں۔ بڑی تختی کے تقریباً چھ سو صفحات کی تصنیف کی قیمت اصل لاگت سے بھی کم یعنی صرف ۱۲ٍ۔ دو روپے آٹھ آنہ ہے ۔

نسیم دعوت اس اسم بامسمیٰ کتاب میں حضور پرنور نے جہاں یہ بتلایا ہے۔ کہ تبدیل مذہب کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے۔ وہاں اسلام کی صداقت پر بھی بہت سی براہین قاطع رقم فرمائی ہیں۔ اور ساتھ ہی وید اور ویدک اصولوں کا بھی زور دار کھنڈن فرمایا۔ حجم قریباً ۱۰۰ صفحہ۔ قیمت صرف ۶ ر ۔

سرمہ چشم آریہ اس شہرہ آفاق تصنیف میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے مفصلہ ذیل مضامین پر عجیب انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اور دلائل و براہین اسلام کی صداقت اور سماجک اصولوں کی بطالت کو ظاہر و ثابت کر دیا ہے — معجزات قرآنیہ۔ ایمان۔ ایقان۔ عرفان۔ انسانی عقل اور الہام معجزہ شق القمر۔ روحوں کا حادث و مخلوق ہونا۔ نجات۔ تناسخ اسلامی خدا اور دیدوں کے پیش کردہ ایشور کی صفات پر لطیف بحث۔ حجم قریباً اڑہائی سو صفحہ۔ مگر قیمت صرف ۱۲ٍ ۔ احباب اس نادر اور لاجواب کتاب کو خرید کر ضرور مستفید ہوں ۔

شحنہ حق حضرت اقدس نے اس نادر تصنیف میں جہاں آریوں کے اعتراضوں کا جواب رقم فرمایا ہے۔ وہاں وید اور ویدک دھرم کی اصل حقیقت کو آفتاب نیمروز کی طرح واضح کر دیا ہے۔ احباب کو چاہیئے۔ کہ اس زبردست اور لاجواب تصنیف کو بکثرت خریدیں۔ اور غیروں تک پہنچائیں۔ حجم تقریباً ۱۲۰ صفحہ قیمت صرف ۸ ر ۔

چشمہ معرفت یہ ضخیم تصنیف اس قابل ہے۔ کہ ہر ایک مسلمان کے پاس اس کا ایک ایک نسخہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اس میں حضرت اقدس نے نہ صرف اسلام۔ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلعم کی صداقت و حقانیت پر بے نظیر دلائل تحریر فرمائے ہیں۔ بلکہ آریوں کے ان تمام بڑے بڑے اعتراضوں کا بھی جواب رقم فرمایا ہے۔ جو عام طور پر اسلام اور قرآن کریم اور نبی کریم صلعم پر کئے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان شرائط پر بھی تیز روشنی ڈالی ہے۔ جو آریوں کی طرف سے وید کے الہامی ہونے کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ ہر ایک وہ شخص جو اسلام اور ویدک دھرم کی تعلیم کا مقابلہ و موازنہ کر کے صداقت کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اس دُرِّ بے بہا کو ضرور ہی خریدے۔ اور پڑھے ضخامت ۳۲۴ صفحات۔ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ اور قیمت صرف ۱۲ٍ ۔ دو روپے آٹھ آنہ ۔

سناتن دھرم اس میں آریہ سماج کے مسائل نیوگ و تناسخ وغیرہ پر بحث ہے۔ قیمت ۱ ر ۔

آریہ سماج کی تردید میں دیگر کتب

مشین گن ویدک الہام کے متعلق دس اعتراض قیمت ۴ ر ۔

تارپیڈو چھوت چھات کے متعلق مسلمانوں کو جو کرنا چاہیئے۔ اس میں وہ سب کچھ بتلایا گیا ہے۔ قیمت ۱ ر ۔

انیسویں صدی کا مہرشی اس میں بانی آریہ سماج کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ قیمت ۱۰ ر

آئینہ اسلام مع ویدک دھرم کی عکسی تصویر اس میں نہ صرف قرآن کریم بلکہ خود غیر مسلموں کی شہادتوں سے بھی ثابت کر کے دکھایا گیا ہے کہ اسلام نہ تو جبر کی تعلیم دیتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی اشاعت جبر سے ہوئی۔ اور ساتھ ہی ان اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے جو مسلمان بادشاہوں پر کئے جاتے ہیں۔ آخر میں وید اور ویدک تواریخ سے ثابت کر کے دکھلایا گیا ہے۔ کہ درحقیقت وید ہی جبر کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسی کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی۔ حجم ۱۸۰ صفحہ۔ قیمت صرف ۱۲ ر ۔

کیفیت وید اس میں آریوں کی مستند اور معتبر کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ وید اور ویدک دھرم اس قابل نہیں کہ اسلام کے شیدائی اسے قبول کریں۔ اور اپنی نجات کا وسیلہ ٹھہرائیں۔ حجم ۴۸ صفحات قیمت ۵ ر ۔

آئینہ سماج اس میں سوامی دیانند جی کی علمی۔ تواریخی اور مذہبی معلومات اور ویدوں کے غیر الہامی ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت ۸ ر ۔

ابطال الوہیت وید اس میں روح مادہ کا مخلوق ہونا۔ قرآن کریم وید مقدس اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ حجم ۴۴ صفحہ قیمت ۶ ۔

دس ٹریکٹ مفت اشاعت کرنے کے لئے کم قیمت کے دس ٹریکٹ بھی تیار ہیں۔ جن میں ہماجی اصول و عقائد پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ جن کی قیمت فی سینکڑہ یہ ہے۔ [illegible] احباب کو چاہیئے۔ کہ ان کی کافی تعداد منگوا کر تقسیم کریں ۔

احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۸ ر ۔ ردّ تناسخ ۳ ر ۔ صاعقہ ذوالجلال نمبر ۱ و ۲ ۷ ر ۔ برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول ۵ ر ۔ ویدک توحید کا نمونہ ۲ٍ شدھی کی اشدھی ۲ ر ۔ تصدیق کلام ربانی ۸ ر ۔ آریہ مذہب کی حقیقت ۲ٍ رسالہ گوشت خوری ۲ ر ۔ آریہ پنتھ کا فوٹو ۲ ر ۔ چشمہ ہدایت ۵ ر ۔ اسلام اور قتل مرتد ۱ٍ ۔ حدوث روح مادہ ۱۲ٍ ۔

نوٹ:۔ ان کتب کے علاوہ صداقت اسلام اور غیر مذاہب کی تردید میں اور بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ جن کے نام اور قیمت فہرست کتب سے معلوم ہو سکتی ہے جو طلب کرنے پر مفت بھیجی جاویگی ۔

مینجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔ ضلع گورداسپور۔ پنجاب

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

روبکار باجلاس جناب چوہدری محمد لطیف صاحب سب جج بہادر۔ درجہ چہارم۔ ترنتارن۔

مقدمہ دیوانی ۳۳۲ بابت ۱۹۲۷ء

سنت رام ولد پالا مل قوم کھتری سکنہ جبلکے تحصیل ترنتارن۔ مدعی

بنام

دساکھا سنگھ ولد بھوسنگھ ذات جٹ سکنہ کوٹ محمد خاں تحصیل ترنتارن۔ مدعا علیہ

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی مدعا علیہ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام مدعا علیہ مذکور زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ مذکور بتاریخ ۱۸ ماہ جولائی ۱۹۲۷ء بمقام ترنتارن حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ اصالتاً یا وکالتاً نہیں کرے گا تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاویگی۔

آج بتاریخ ۲۱ ماہ جون ۱۹۲۷ء کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔ مہر عدالت دستخط حاکم

اشتہار زیر دفعہ ۵ رول ۲ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے۔ سب جج صاحب بہادر درجہ چہارم شاہ پور

دعویٰ دیوانی ۵۰۵

محمد دین ولد مراد علی ذات ترکھان سکنہ موضع نتھو والہ تحصیل وضلع شاہ پور

بنام

محمد دین ولد فتح دین ذات پراچہ سکنہ موضع نتھو والہ۔ تحصیل شاہ پور۔ حال دوکاندار منڈی میاں چنوں۔ تحصیل خانیوال ضلع منٹگمری۔ پیشہ دوکانداری

دعویٰ ۔ ۱-۱-۸۰

بنام محمد دین ولد فتح دین ذات پراچہ سکنہ موضع نتھو والہ تحصیل شاہ پور حال دوکاندار منڈی میاں چنوں۔ تحصیل خانیوال ضلع منٹگمری۔ پیشہ دوکانداری

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی محمد دین مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام محمد دین مذکور جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ مذکور تاریخ ۱۱ ماہ جولائی ۱۹۲۷ء کو بمقام صدر شاہ پور حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا۔ تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی۔

آج بتاریخ ۲ ماہ جون ۱۹۲۷ء کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔ مہر عدالت دستخط حاکم

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

بعدالت جناب مسٹر ایم ظہیر صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جج بہادر۔ درجہ چہارم۔ بٹالہ

مقدمہ نمبر ۴۹۷ ۱۹۲۷ء

گنڈا رام ولد بشنداس ذات اروڑہ ساکن حال محسن تحصیل بٹالہ مدعی

بنام

پالا سنگھ ولد نگر ذات جٹ ساکن ڈالہ چک تحصیل بٹالہ مدعا علیہ

دعویٰ دلاپانے مبلغ -/۵۰ روپیہ بر بہی حساب

مقدمہ مندرجہ بالا عنوان میں بیان حلفی مدعی سے پایا جاتا ہے۔ کہ مدعا علیہ مذکور دیدہ دانستہ تعمیل سمن سے گریز کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے نام اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ مذکور بتاریخ ۲ بوقت ۱۰ بجے دن کے برائے پیروی جوابدہی حاضر عدالت ہذا نہیں ہوگا۔ تو اس کے خلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاویگی۔ تحریر ۲۱ مہر عدالت دستخط حاکم

نارتھ ویسٹرن ریلوے

نوٹس

ٹنڈر مطلوب ہیں

مستعمل لوہے۔ فولاد۔ پیتل۔ اور دیگر دھاتوں کے ٹکڑوں کی جو مغلپورہ سٹور ڈپو میں فروخت کیلئے موجود ہیں۔ این ڈبلیو ریلوے سے خرید کرنیکے واسطے سر بمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔

۲۔ ٹنڈر فارم جن پر قابل فروخت اشیاء کی تفصیل اور مقدار مندرج ہے۔ کنٹرولر آف سٹورز این ڈبلیو ریلوے مغلپورہ (لاہور) سے درخواست کرنے اور مبلغ پانچ روپیہ جمع کرانے پر مل سکتی ہیں۔

۳۔ تمام ٹنڈر کنٹرولر آف سٹورز کے دفتر میں ۱۳ر جولائی ۱۹۲۷ء بروز بدھ قبل دو بجے دن پہنچ جانے چاہئیں۔ جو اس کے بعد دوسرے روز دو بجے دن کے تمام ان ٹنڈر دہندگان کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔ جو اس وقت وہاں موجود ہونگے۔

۴۔ ہر ٹنڈر دہندہ کو چاہیئے۔ کہ چیف کیشیئر۔ این ڈبلیو ریلوے لاہور کے پاس مبلغ ایک ہزار روپیہ جمع کرا کے رسید حاصل کرے۔ اور ایسی رسید اپنے ٹنڈر کے ہمراہ مقررہ تاریخ سے پہلے پہلے بھیج

مغلپورہ مورخہ ۲۵ر مئی ۱۹۲۷ء کنٹرولر آف سٹورز این۔ ڈبلیو۔ ریلوے

(منشی عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر وپبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)